(۲) اردو کلام

میرزا مظہرؒ کا اردو کلام بہت کم پایا جاتا ہے۔ اگرچہ تذکرہ مسرت افزا میں لکھا ہے کہ "دیوان فارسی و ریختہ مرتب دارد[1]" اور غالباً اسی بیان کی بنیاد پر گارساں دتاسی نے بھی لکھ دیا کہ ان کا ہندوستانی و فارسی کا دیوان موجود ہے[2] لیکن اس کی تائید کسی معاصر یا بعد کے تذکرہ سے نہیں ہوتی۔ میر تقی میر، فتح علی گردیزی، قائم چاندپوری، افضل بیگ قاقشال، حمید اورنگ آبادی، لچھمی نراین شفیق، قدرت اللہ شوق، میر حسن، مصحفی، قدرت اللہ قاسم، مصطفٰے خاں شیفتہ کسی نے بھی ان کے اردو دیوان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ بعض تذکرہ نویسوں نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ "گاہ گاہی" اردو میں اشعار کہا کرتے تھے اور صرف "چند اشعار ریختہ" ان کی یادگار ہیں۔ مثلاً سراج الدین علی خاں آرزو لکھتے ہیں کہ

"گاہ گاہی ریختہ ..... می گفت۔"[3]

عشقی عظیم آبادی کے یہ الفاظ ہیں:

---

[1] ابوالحسن امیر احمد: تذکرہ مسرت افزا بحوالہ معاصر پٹنہ جلد ۲ حصہ ۷۔ [2] گارساں دتاسی: تاریخ ادبیات ہندستانی جلد دوم صفحہ ۲۹۷ [3] سراج الدین علی خان آرزو: مجمع النفائس (قلمی)

"گاہ گاہ بحسب اتفاق مطلعی و غزل بزبان ریختہ نیز فرمودند۔"[۱]

قدرت اللہ قاسم کا بیان ہے کہ

"معدودی از اشعار ریختہ کہ در ایام سالف از طبع دُرپاشش ریختہ ہم منقوش صفحات لیل و نہار است۔"[۲]

احمد علی یکتا لکھنوی لکھتے ہیں کہ

"بیشتر فارسی می گفت و ریختہ ہمین قدر کہ برای اصلاح بعضی از شاگردان او بکار آید یا بکدام خیالی دیگر بقلت می فرمود۔"[۳]

صاحب عیار الشعرا کا بھی یہی بیان ہے:

"گاہ گاہی ہمت گرامی بہ تصنیف بعضی غزلیات ہندوی ہم مصروف می فرمود۔"[۴]

شیفتہ کہتے ہیں کہ

"وقتی ابیات ریختہ ہم می گفتہ۔"[۵]

تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا کے مصنف کا قول ہے کہ

"بپاس خاطر میر موصوف (میر عبد الحیٔ تاباں) کبھی کبھی ہندی شعر بھی زبان پر جاری ہوتا والا وہ فارسی گوئی میں نام آوری رکھتا تھا۔"[۶]

گردیزی میرزا صاحب کی شعر گوئی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ

"اکثری از اشعارش از راہ بی پروائی از صفحۂ خاطر محو و منسی شدند و

۱؎ عشقی عظیم آبادی: تذکرۂ عشقی (قلمی) ۲؎ قدرت اللہ قاسم: مجموعۂ نغز: جلد دوم ص ۱۹۸ ۳؎ احمد علی یکتا لکھنوی دستور الفصاحت ص ۱۲۳ ۴؎ خوب چند ذکا: عیار الشعرا (قلمی) ۵؎ مصطفٰے خاں شیفتہ: گلشن بیخار ص ۲۶۶

۶؎ سعادت خاں ناصر: تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا (قلمی)

برخی از عدم اعتنا و توجہ باین فن مہجور و ابتر گشتند۔"[1]

اسی طرح صاحب تذکرۂ مسرّت افزا کا بیان ہے کہ

"از بی نیازی و بی پروائی چون قصد تدوین و حفاظت ندارد اکثری از احاطۂ خاطر می رود مگر آنچہ بگوش طالبان رسیدہ و حمزجان و تعویذ دل و جان گردیدہ۔"[2]

میرزا صاحب نے اپنے فارسی دیوان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ

"(فقیر) سر جمع اجزای کلیات و مسودات نداشت و بیشتر سرمایۂ سخنش بباد رفت۔"[3]

لیکن دیباچہ کی عبارت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ بیس ہزار (فارسی) اشعار جمع ہوگئے تھے جن میں سے میرزا صاحب نے صرف ایک ہزار اشعار کا انتخاب کیا۔ اس لئے یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ میرزا صاحب کا فارسی کلام بہت کچھ ضائع ہوگیا قیاس یہی کہتا ہے کہ گردیزی اور ابوالحسن نے اُن کی جس "بے نیازی" "بے پروائی" اور "عدم اعتنا و توجہ" کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں اردو کلام کا عنصر غالب ہے، کیونکہ تذکرۂ ریختہ گویان (گردیزی) اور تذکرۂ مسرت افزا (ابوالحسن) دونوں اردو شعرا کے تذکرے ہیں۔ جب خود شاعر کو اپنے کلام سے اعتنا نہ ہو تو اس کا محفوظ رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

اس سلسلہ کی سب سے دل چسپ بات یہ ہے کہ جواہر سخن کے مرتب

---

[1] فتح علی گردیزی: تذکرۂ ریختہ گویان ص ۱۳۱ [2] ابوالحسن امیر احمد: تذکرۂ مسرت افزا، بحوالۂ معاصر پٹنا، جلد ۲ حصہ ۲، [3] میرزا مظہر: دیوان مظہر، دیباچہ

نے میرزا صاحب کے اردو کلام کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ

"شاہ شاہد علی صاحب سبز پوش، تخلص فانی، رئیس گورکھپور کا بیان ہو کہ میرزا صاحب کا مکمل دیوان اردو قلمی کتب خانۂ خانقاہ جون پور میں موجود ہو۔" [۱]

مدت ہوئی ہم نے اس نسخہ کا پتا لگانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن افسوس کہ جون پور کی خانقاہ میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ اگر شاہ شاہد علی صاحب کا بیان صحیح ہو تو میرزا صاحب کے اردو دیوان کا غائب ہو جانا دنیائے اردو کا ایک ایسا سانحہ ہو جس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہو۔

میرزا صاحب کی اردو شعر گوئی (یا ترکِ شعر گوئی) کے متعلق مصحفی نے ایک بڑی عجیب یا دلچسپ بات کہی ہو۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"چوں در آں روزہا با میر عبدالحیٔ تاباں دوستی بسیار داشت چند غزلیات متعدد از خامۂ فکرش بر صفحۂ کاغذ ریختہ بودند کہ مشارٌ الیہ مانع آمد آخر ایشان قرار شعر گفتن خود بزبان فارسی دادند و بعد ازیں بہ ریختہ زبان نیالودند۔" [۲]

تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا کے مصنف کا بیان ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ وہ مصحفی کے بیان کے بالکل برعکس ہو۔ اس بیان کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہو کہ تذکرہ خوش معرکۂ زیبا مصحفی کے تذکرۂ ہندی کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہو۔

---

[۱] مبین چریاکوٹی: جواہر سخن، جلد اول ص ۲۴۳ [۲] مصحفی: تذکرۂ ہندی ص ۲۰۳

مصحفی نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی کہ تاباں نے میرزا صاحب کو یہ مشورہ کیوں دیا۔ البتہ لچھمی نرائن شفیق نے اس کی توجیہہ بلا دلیل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"میرزا مظہر جان جاناں چون چرب گفتاری یقین باین درجہ دید با ریختہ ہای کہ بیشتر از زین سرزدہ طبع میرزا شدہ اکتفا کردہ از شعر ریختہ دست کشیدہ۔"[۱]

بات دراصل یہ ہے کہ شفیق کو یقین سے بے انتہا عقیدت و محبت تھی اور انھوں نے یقین کے حالات و خصائص لکھنے میں حقیقت سے زیادہ عقیدت کا اظہار کیا ہے یا بقول مولوی عبدالحق "اس قدر مبالغہ بلکہ غلو سے کام لیا ہے کہ خلاف عادت شفیق کو اپنی طبیعت پر قابو نہیں رہا۔ وہ اُسے اردو کا سب سے بہتر شاعر خیال کرتا ہے اور ہند و دکن میں کسی کو اس کی ٹکر کا نہیں سمجھتا ...... یقین کا تذکرہ اور کلام ۴۶ صفحوں میں درج ہے۔ اسی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ اس شاعر کو کیا سمجھتا تھا۔"[۲]

شفیق کو دراصل میر تقی میر پر غصہ ہے۔ میر نے یقین کو مبتذل مند کہا ہے۔ ذائقۂ شعری سے محروم بتایا ہے۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انھیں شعر کہنا نہیں آتا تھا۔ اُن کے استاد میرزا مظہر جان جاناں انھیں شعر کہہ کر دیا کرتے تھے اور ان کا سارا دیوان حقیقۃً میرزا مظہرؒ کی کاوش کا نتیجہ ہے۔[۳] یہ بات شفیق کو ناگوار گذری۔ دوسروں کو بھی بری معلوم ہوئی۔ لیکن اس سے ردعمل کے طور پر جو کچھ لکھا

۱۔ لچھمی نرائن شفیق: چمنستان شعرا صفحہ ۱۲۳ ۲۔ ایضاً مقدمہ صفحہ ۱۳ ۳۔ میر تقی میر: نکات الشعرا صفحہ ۱۰۱

گیا وہ بھی مبالغہ سے خالی نہیں۔ یقین کا دیوان چھپ گیا ہے اور ہر صاحب ذوق یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یقین کو "یکتائے عصر" اور "یگانۂ زمانہ" کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔

یہ یقیناً صحیح نہیں ہو سکتا کہ میرزا صاحب یقین کو شعر کہہ دیا کرتے تھے کیونکہ بقول میر "ہمہ چیز بوارث میرسد الا شعر" اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ یقین کا دیوان ان کی سخن گوئی کی زندہ شہادت موجود ہے۔[۱] قدرت اللہ شوق جو میرزا صاحب اور یقین دونوں کے ہم عصر تھے اور دہلی ہی میں رہتے تھے اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ

"بعضی شعرا گمان بردہ اند کہ یقین شعر گفتن نمی دانست، میرزا مظہر اورا شعر گفتہ می داد محض خطاست، فاما در اشعارش اکثر اصلاح استاد بیشتر است چیزی مضائقہ ندارد۔"[۲]

صاحب تذکرۂ مسرت افزا نے بھی اس بحث میں حصہ لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

"زبان آوران از مضامین رنگین اشعارش رشک خوردہ انکار می نمودند۔ سخنوران از صفائی تازہ و خوش آئین کلامش متحیر شدہ بجانب حضرت میرزا مظہر منسوب می کردند لیکن تجسس کنندگان و تفحص جویندگان آخر خود مقر شدہ اند کہ این اشعار بایقین زادۂ طبع یقین است۔"[۳]

ان صریح بیانات کے بعد یہ بحث قطعی طور پر ختم ہو جانی چاہیے کہ میرزا

---

[۱] مولانا عبدالحئی: گل رعنا صفحہ ۔ [۲] قدرت اللہ شوق: طبقات الشعرا (قلمی) [۳] ابوالحسن امیر احمد: تذکرۂ مسرت افزا بحوالۂ معاصر جلد ۲ حصہ ۱۴

صاحب یقین کو شعر کہہ کر دیا کرتے تھے یا یہ کہ یقین کا دیوان حقیقۃً میرزا صاحب کا مال ہو۔ حقیقت وہی ہو جو شوق نے کہا ہو یعنی یقین کے کلام میں میرزا صاحب کی اصلاح بہ نسبت دوسرے شاگردوں کے زیادہ ہو۔ مصحفی کا بھی بیان ہو کہ "دیوانش از نظر میرزا بخوبی گذشتہ[1]" بہت ممکن ہو کہ غایت محبت میں انھوں نے کبھی کبھی ایک آدھ شعر غزل میں اپنی طرف سے بڑھا دئے ہوں، مثلاً مندرجۂ ذیل اشعار جو تذکرۂ مسرت افزا، تذکرۂ ہندی اور مجموعۂ نغز میں میرزا صاحب کی طرف منسوب ہیں دیوان یقین میں پائے جاتے ہیں:

مت اختلاط کر اے نوبہار اب ہم سے　　چمن کے ہونے کا اس خاک کو دماغ نہیں

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہو　　قدم سنبھال کے رکھیو ترا یہ باغ نہیں

شفیق کا یہ بیان بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا کہ یقین کی شہرت و مقبولیت کی وجہ سے میرزا صاحب نے اُردو میں شعر کہنا ترک کر دیا۔ میرزا صاحب کو فارسی سے طبعی طور پر زیادہ اُنس رہا ہوگا۔ اس لئے اُنھوں نے فارسی ہی میں اپنے جذبات کا اظہار مناسب سمجھا ہوگا۔ غالب کو اردو شاعری میں جو اہمیت حاصل ہو اس سے کون انکار کر سکتا ہو۔ لیکن ان کا فارسی کا شعری سرمایہ اردو سے بہت زیادہ ہو۔ مولانا شبلی اردو کتابوں کے مصنف ہونے کے علاوہ اُردو زبان کے پرستاروں میں تھے۔ لیکن انھوں نے اُردو سے زیادہ فارسی میں کہا ہو۔ اور خصوصاً غزلیں تو قریباً سب کی سب فارسی میں ہیں۔ صرف دو تین غزلیں اردو میں ہیں۔

---

[1] مصحفی: تذکرۂ ہندی صفحہ ۲۷۵

سراج الدین علی خان آرزوؔ لکھتے ہیں کہ

"گاہ گاہی ریختہ بطریقۂ خاصہ می گفت۔ حالا خلاف زیِ خود دانستہ ترک گفتہ بعضی از تلامذۂ خودرا تربیت[۱] بسیار کردہ حتیٰ کہ بعض می گویند خود گفتہ داد۔ واللہ اعلم۔"[۲]

آرزوؔ کے اس بیان سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ میرزا صاحب کو طبعاً ریختہ (اردو) سے زیادہ دل چسپی تھی اور دوسرے یہ کہ وہ شاگردوں پر بہت توجہ کرتے تھے۔ وہ ایک مرشد وہادی تھے۔ ان کے وقت کا زیادہ حصہ "ارشاد طالبان وتعلیم وتربیت یاران" میں صرف ہوتا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ شعروشاعری کے لئے وہ بہت زیادہ وقت نہیں دے سکتے تھے۔ جو کچھ تھوڑا بہت وقت نکال سکتے تھے وہ ایسے شاگردوں کی نذر ہوجاتا تھا جو اردو سے زیادہ دل چسپی رکھتے تھے۔ یہاں ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب اردو شاعری کا ستارہ کافی بلندی پر پہنچ چکا ہے۔ میرؔ، سوداؔ وغیرہ کی شہرت پر نکال چکی ہے۔ اس لئے اردو شاعری سے نوجوانوں کی دلچسپی ایک فطری بات ہے۔

ابتدا میں خود میرزا صاحب کا ایک بیان نقل کیا جا چکا ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ اب مجھے شعروشاعری سے دلچسپی نہیں رہی اور یہ کہ تئیس سال سے

---

[۱] قائمؔ نے اپنے تذکرہ مخزن نکات میں میرزا صاحب کے اشعار نقل کرنے سے پہلے یہ جملہ لکھا ہے: "از برای تربیت یقین گفتہ۔" مصحفیؔ نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ "بہ تربیت انعام اللہ خاں ۔۔۔۔ پُر توجہ بودند (تذکرۂ ہندی ص۲۰۳) [۲] سراج الدین علی خان آرزو: مجمع النفائس (قلمی)

میں رشد و ہدایت میں مشغول ہوں۔ ان کا موجودہ و مروجہ فارسی دیوان ۱۱۷۰ھ میں مرتب ہوتا ہے اور ان کی وفات ۱۱۹۵ھ میں ہوتی ہے۔ اس پچیس برس کی مدت میں جیسا کہ مذکورہ بالا بیان اور مکتوب سے مترشح ہوتا ہے انھوں نے شاید چند شعر کہے ہوں۔ جس طرح انھوں نے فارسی میں شعر کہنا ترک کر دیا اسی طرح اردو میں بھی، جس میں وہ یوں بھی کم کہا کرتے تھے، کہنا چھوڑ دیا ہو گا[۱]۔ اس لئے شفیق کا یہ بیان کہ یقین کے کلام کی شہرت و مقبولیت کی وجہ سے میرزا صاحب نے اردو میں شعر کہنا ترک کر دیا قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

میرزا صاحب کے فارسی کلام کے متعلق میر صاحب کی رائے ہے کہ "از سلیم و کلیم پای کمی ندارد"[۲]۔ جس شخص کا فارسی کلام کلیم و سلیم کے کلام کی برابری کرتا ہو اس کا اردو کلام اس درجہ کا کیسے ہو گا کہ اسے یقین کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یقین کا کلام اچھا ہے لیکن وہ کلیم و سلیم کے درجہ کو نہیں پہنچتے۔ پھر خود میرزا صاحب کا اردو کلام جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے اس بات کی زندہ شہادت ہے کہ اگر وہ اردو میں کہتے تو یقیناً وہ یقین کے کلام سے بلند تر ہوتا اور جو کچھ ہے اس کے متعلق بھی یہی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر نہ شفیق کا بیان قابل قبول ہو سکتا ہے اور نہ مصحفی کی روایت۔

---

[۱] اوپر ہم صاحب تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا کا بیان نقل کر آئے ہیں کہ میرزا صاحب میر عبدالحئی تاباں کے پاس خاطر سے اردو میں شعر کہا کرتے تھے۔ یہ بھی مسلم ہے کہ میرزا صاحب تاباں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اس لئے اگر تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا کے مصنف کے بیان کو صحیح مان لیا جائے تو میرزا صاحب کے اردو میں شعر گوئی ترک کرنے کی ایک معقول وجہ تاباں کی وفات بھی قرار پا سکتی ہے۔ [۲] میر تقی میر: نکات الشعرا ص۵

اصلاحی کوششیں | میرزا مظہرؔ اردو شاعری کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جو اصلاح کا دور کہلاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اردو شاعری میں صنعت ایہام کا رواج بہت زیادہ ہو گیا تھا اور شاعری لفظوں کا کھیل بن گئی تھی یا بقول صاحب طبقات شعرائے اردو "غلط، مکروہ، سبک اور مبتذل الفاظ و معانی کا مجموعہ تھی"۔[1] یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے بعض اکابر اساتذہ کو بھی تذکرہ نگاروں نے پوچ گو لکھا اور ان کے ادعائے شاعری کے باوجود ان کے کلام کو لطف سے خالی پایا۔ میرزا صاحب بھی کبھی کبھی اسی طرز میں کہا کرتے تھے۔ لیکن وہی پہلے شاعر ہیں جنھیں اردو شاعری کی اصلاح کا خیال ہوا۔ انھوں نے اردو شاعری سے ایہام کی صنعت کو ترک کیا اور دوبارہ اس میں لطافت خیال اور سادگیٔ بیان پیدا کی۔ صاحب طبقات الشعرا میرزا صاحب کے ہم عصر تھے۔ ان کا بیان ہے کہ

"می گویند کہ اول کسیکہ طرز ایہام گوئی را ترک نمودہ ریختہ را در زبان اردوی معلای شاہ جہان آباد کہ الحال پسند خاطر عوام و خواص گردیدہ مروج ساختہ زبدۃ العارفین، قدوۃ الواصلین، واقف رموز جناب اکبر، کاشف کنوز طریقۂ پیغمبر میرزا جان جاناں متخلص بہ مظہر مردی است فرشتہ صفت۔۔۔۔۔۔"[2]

مصحفی کے بیان سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"در ابتدای شوقِ شعر کہ ہنوز از میر و میرزا وغیرہ کسی در عرصۂ نیامدہ

---

[1] کریم الدین، طبقات شعرائے اردو ص ۔ [2] قدرت اللہ شوق، طبقات الشعرا (قلمی)

بود ودر ایہام گویان بود اول کسیکہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ اوست ..... فی الحقیقت نقاش اول زبان ریختہ باین وتیرہ باعتقاد فقیر میرزا است بعدہ تتبعش بدیگران رسیدہ"[۱]

قدرت اللہ قاسم کی رائے ہو کہ

"حق اینست کہ ایجاد طرز واند از وی نمودہ واندراس رویۂ ایہام ودری ساز وی فرمودہ."[۲]

احمد علی یکتا لکھنوی اپنی قابل قدر تصنیف دستور الفصاحت کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ

"سادہ گفتن شعر از تکلف ایہام ودیگر صنعت نا مطبوع کہ رسم شعرای دورۂ فردوس آرام گاہ بود ومعنی را قریب الفہم بوضعی باصفا ومتانت بستن کہ سامع محتاج شرح ولغت دم استماع نشود ودر گفتن ہر قسم شعر..... در ہر باب متبع ومقلد فارسیان بودن بنا گذاشتہ میرزا جان جاناں مظہر است."[۳]

خاتمۂ کتاب پر وہ پھر کہتے ہیں کہ

"اعتقاد جمعی از محققین ہمین است کہ بانی بنای ریختہ بطرز فارسی اول جناب ایشان است ..... ودیگران ہمہ متبع ومقلد او ہستند."[۴]

میرزا صاحب نے زبان کی صفائی وشستگی کی طرف بھی توجہ کی۔ برج بھاشا اور دکنی کے الفاظ جو ولی کی مقبولیت اور تقلید کی وجہ سے اردو شاعری میں داخل

۱؎ مصحفی: تذکرۂ ہندی ص۲۰۳ ۲؎ قدرت اللہ قاسم: مجموعۂ نغز جلد دوم ص۱۹۸ ۳؎ احمد علی یکتا لکھنوی: دستور الفصاحت ص۲ ۴؎ ایضاً ص۱۲۴

ہو گئے تھے شعر کی لطافت پر بار تھے۔ میرزا مظہرؒ نے زبان کو ثقیل اور بوجھل الفاظ سے پاک کرنے کی کوشش کی، چنانچہ کبھو، جیو، نین، سنسار، بسرنا وغیرہ متروک قرار پائے۔ اسی طرح بہت سے عربی و فارسی الفاظ اردو میں صوتی لحاظ سے لکھے جاتے تھے۔ میرزا صاحب نے انھیں اصل شکل میں لکھنا شروع کیا، مثلاً تسبی کے بجائے تسبیح، دوانہ کے بجائے دیوانہ۔

مخزن الغرائب اگرچہ فارسی شعرا کا تذکرہ ہے لیکن تذکرہ نگار نے میرزا صاحب کی اردو شاعری سے متعلق بھی مختصراً لکھا ہے۔ ان کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ

"بانیِ زبان اردو در ریختہ او (میرزا مظہرؒ) بودہ است دالا بیشتر شعر گفتن یاران بہ تقلید ولی دکنی بود۔" [۱]

شورش کا بیان بھی اس کی تائید کرتا ہے:

"اشعار ریختہ قبل ازیں بہ طور آبرو و ولی مردمان دہلی می گفتند۔ ایں طور را کہ الحال مردمان می گویند آں حضرت (میرزا مظہرؒ) رواج دادہ۔" [۲]

کریم الدین انھیں "ریختہ کا بانی" اور "مصلح" کہتے ہیں۔ [۳]

مولانا محمد حسین آزاد نے بقول صاحب گل رعنا میرزا صاحب کو بادلِ ناخواستہ آب حیات میں جگہ دی ہے۔ لیکن وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور رہیں کہ

---

[۱] احمد علی سندیلوی: مخزن الغرائب (قلمی) [۲] سید غلام حسین شورش عظیم آبادی، تذکرہ شورش (قلمی)
[۳] کریم الدین: طبقات شعرائے اردو ص ۱۰۶

"میرزا مظہر جان جاناں، سودا، میر، خواجہ درد، چار شخص تھے کہ
جنھوں نے زبان اردو کو خراط اتارا ہے۔"[1]

مولانا آزاد نے خود میرزا صاحب کے حالات میں اپنے اس قول کی وضاحت کردی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"(میرزا صاحب نے) زبان اُردو کی طرف توجہ کی اور اُسے ایسا
تراشا کہ جو شعر پہلے گذرے تھے انھیں پیچھے چھوڑ کر اپنے عہد کا طبقہ الگ کردیا
اور اہل زبان کو نیا نمونہ تراش کر دیا جس سے پُرانا رستہ ایہام گوئی کا
زمین شعر سے مٹ گیا۔"[2]

میرزا مظہرؒ کی اصلاحی کوششوں کے نتائج مختصراً حسب ذیل ہیں:

(۱) ایہام کی صنعت کا استعمال ترک ہوا اور صحیح رنگ تغزل پیدا ہوا۔

(۲) برج بھاشا اور دکنی کے بہت سے الفاظ متروک قرار پائے اور زبان میں صفائی و شستگی پیدا ہوئی۔

(۳) فارسی اور ہندی کے عناصر میں توازن پیدا ہوا۔

(۴) عربی و فارسی کے وہ الفاظ جو اُردو میں صوتی لحاظ سے لکھے جاتے تھے اب اپنی شکل میں لکھے جانے لگے۔

کلام پر تبصرہ میرزا صاحب کا اردو کلام اتنا کم پایا جاتا ہے کہ اس کی روشنی میں ان کی اردو شعر گوئی سے متعلق تفصیل سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ لیکن آثار سے عمارت کی بلندی کا اندازہ بہر حال لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے

---

[1] مولانا محمد حسین آزاد: آب حیات ص ۱۳۷ [2] ایضاً ص ۱۴۲

بعض ہم عصروں نے ان کے اُردو کلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی ان کی شاعرانہ عظمت کا پتا چلتا ہے، مثلاً سراج الدین علی خان آرزو جن کا تبحر اور نکتہ دانی مسلم ہے کہتے ہیں کہ

"گاہ گاہی ریختہ بطریقۂ خاصہ میگفت"[1]

صاحب مخزن الغرائب لکھتے ہیں کہ

"در زبان ہندی کہ مراد از اردو ست خیلی فصیح و بلیغ بود۔"[2]

فتح علی گردیزی کی رائے ہے کہ

"شعر فارسیش بغایت لطافت و نظم ریختہ اش بنہایت عذوبت است"[3]

افضل بیگ قاقشال کا بیان ہے کہ

"در فکر اشعار فارسی و ریختہ ہندی و ابیات ایہامی عدیم المثال و کلامش ہمہ از درد و حال است۔ تمام اشعارش مقبول طبائع و مرغوب دلہا گشت۔"[4]

صاحب ریاض حسنی اس طرح ان کی مدح و ثنا کرتے ہیں:

"امام الشعرای عصر خود است۔ منصفان سینہ صاف افصح المتاخرین می گویند و در ثنا و مدحش سر و چشم می پویند۔"[5]

تذکرۂ مسرت افزا کے مرتب ان کی شاعرانہ عظمت کا اس طرح اعتراف

---

[1] سراج الدین علی خان آرزو: مجمع النفائس (قلمی) [2] احمد علی سندیلوی: مخزن الغرائب (قلمی) [3] فتح علی گردیزی: تذکرۂ ریختہ گویان ص ۱۳۲ [4] افضل بیگ قاقشال: تحفۃ الشعرا (قلمی) [5] غنایت اللہ فتوت: ریاض حسنی (قلمی)

کرتے ہیں:

"سخنوران از شیرین زبانی داد ابندی او سند می آرند و زبان آوران بنزاکت گفتار و لطافت بیانش اعتراف دارند۔"[۱]

بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی میرزا صاحب کے اردو کلام کو سراہا ہے اور کمیت سے قطع نظر کر کے کیفیت کی داد دی ہے، مثلاً قدرت اللہ قاسم ان کی شعر گوئی و نکتہ سنجی کی اس طرح داد دیتے ہیں:

"شعر و شاعری خاصہ ریختہ گوئی دون مرتبۂ آن عالی نہاد است۔ سخن سنجی و نکتہ پیرائی خصوص بزبان ہندوستان زای کمینہ رتبۂ آن والا نژاد۔"[۲]

علی ابراہیم ان کی خوش بیانی کی یوں تعریف کرتے ہیں:

"مشہور سخنوروں میں دلی کے نظم ..... ریختہ میں خوش بیان ..... تھے۔"[۳]

انشا نے اس طرح ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے:

"دل اور آنکھ میں کشمکش ہونے لگی کہ کیوں میرزا صاحب کے دیدار سے محروم رہیں اور ان بزرگ کے کلام معجز نظام میں جو لایزال لذت اور مٹھاس ہے اس سے کیوں باز رکھا جائے۔"[۴]

مولانا محمد حسین آزاد کی رائے ہے کہ

---

[۱] ابوالحسن امیر احمد: تذکرۂ مسرت افزا بحوالہ معاصر پٹنہ جلد ۲ حصہ ۷۔ [۲] قدرت اللہ قاسم: مجموعۂ نغز جلد دوم ص ۱۹۸ [۳] علی ابراہیم: گلزار ابراہیم بحوالہ گلشن ہند ص ۲۱۶ [۴] انشا: دریائے لطافت' اردو ترجمہ از پنڈت برج موہن کیفی ص ۲۷

"ان کے کلام میں مضامین عاشقانہ عجب تڑپ دکھاتے ہیں اور یہ مقام تعجب نہیں کیونکہ وہ قدرتی عاشق مزاج تھے۔ اوروں کے کلام میں یہ مضامین خیالی ہیں، اُن کے اصل حال۔"[۱]

افضل بیگ قاقشال اور مولانا آزاد کی رائے ایک ہی۔ لیکن مولانا نے اپنے قول کی یہ توجیہہ بھی کر دی ہے کہ اوروں کے کلام میں یہ مضامین خیالی ہیں، ان کے اصل حال۔ مولانا آزاد کی اس توجیہہ کو قبول کرنے میں کسی صاحب ذوق کو جھجک نہیں ہو سکتی۔

احمد علی سندیلوی نے میرزا صاحب کی فارسی شاعری کے سلسلے میں لکھا ہی کہ

"ازبسکہ کانون سینۂ بی کینہ اش پُر از عشق بود بیشتر اشعار عاشقانہ پُر درد از قلمش می ریخت۔"[۲]

اسی طرح صاحب معمولات مظہریہ نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہی جسے ہم میرزا صاحب کی فارسی شعر گوئی کے سلسلہ میں نقل کر آئے ہیں۔ اگرچہ سندیلوی کی رائے اور صاحب معمولات کے بیان کردہ واقعہ کا تعلق میرزا صاحب کی فارسی شعر گوئی سے ہی لیکن ان کا اردو کلام بھی اس سے غیر متعلق نہیں ہو سکتا۔ دل کی تڑپ زبان کی قید و بند سے آزاد ہی۔

مصطفےٰ خاں یک رنگ نے بھی جو میرزا صاحب کے شاگرد تھے ایک شعر میں استاد سے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا ہی:

۱؎ مولانا محمد حسین آزاد، آب حیات۔ ص ۱۴۲ ۲؎ احمد علی سندیلوی، مخزن الغرائب (قلمی)

جس کے درد دل میں کچھ تاثیر ہی　　　گر جواں بھی ہی تو میرا پیر ہی

میرزا صاحب کے اردو کلام کو دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ وہ اشعار جن کا تعلق ایہام سے ہی اور وہ اشعار جو ترک ایہام گوئی کے بعد کہے گئے۔ وہ اشعار جن میں صنعت ایہام استعمال ہوئی ہی بحیثیت مجموعی شعری وادبی نقطۂ نگاہ سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ نہ ان میں لطافت خیال ہی اور نہ اسلوب بیان کی ندرت و دلکشی، بلکہ بعض اشعار تو تہذیب و متانت سے گرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ذیل کے چند ایہامی اشعار استثنا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں لطافت خیال بھی ہی اور حسن بیان بھی۔ جذبات کی مصوری بھی ہی اور محسوسات کی عکاسی بھی۔

اب کوئی ساعت میں آ صیاد کرتا ہی طول　　　ایک دم کوں بلبلو کیوں مُٹھتی ہو پھول پھول

پھولے ہیں گل چمن میں صنم کا جمال دیکھ　　　لالہ بدل ہی داغ ترے مکھ کا خال دیکھ

بلبل خجل ہوئی ہی ترے رخ پہ اے صنم　　　سنبل ہی پیچ پیچ تری زلف و بال دیکھ

جھکی ہی فوج گل اور عندلیباں کی پکار آئی　　　ارے ہنستا ہی کیا وہ دیکھ دیوانے بہار آئی

تجلّی گر تری پست و بلند ان کو نہ دکھلاتی　　　فلک کیوں چرخ کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی

کوئی تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو　　　کہ آخر ایک ہی آپس میں دونوں بیچ رشتا ہی

وہ اشعار جو میرزا صاحب نے ترک ایہام گوئی کے بعد کہے قدیم معیار

غزل گوئی پر پورے اترتے ہیں۔ ان میں محبت و شیفتگی، جذبۂ فدائیت، سوز و گداز اور ندرتِ بیان پائی جاتی ہے۔ لیکن ہوسناکی، بے حمیتی اور مایوسی و المناکی سے ان کا کلام پاک ہے۔ ان کی "نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق نہیں۔ ان کے صنم خانہ میں موت کی نقش گری" نہیں اور نہ ان کا ہنر زندگی سے بیزاری کا درس دیتا ہے۔ ان کا دل سوزِ عشق کا آتش کدہ ہے، مگر ان کے یہاں "استخواں کانپ کانپ" نہیں جلتے۔ ان کا عشق میر کے عشق سے مختلف ہے۔ ان کے جذبات و تصورات میں ایک خوشگوار تنوع ہے۔

میرزا صاحب کے کلام میں جو بات سب سے نمایاں ہے وہ اس کی داخلیت ہے۔ انھوں نے وہی کہا ہے جو محسوس کیا ہے۔ ان کے اشعار میں ان کے تخیلات و افکار کی صحیح تصویر نظر آتی ہے۔ وہ عشق کے زخم خوردہ تھے۔ اس کی مختلف کیفیتوں سے آگاہ تھے۔ حسن کی ایک ایک ادا کے رمز شناس تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں وارداتِ کیفیاتِ عشق کے اظہار کی فراوانی ہے اور ان کے کلام کو ان کی شخصیت کا آئینہ دار کہا جا سکتا ہے۔ یہاں مثالاً چند شعر نقل کئے جاتے ہیں:

جنوں سوں اس قدر روئیں کہ رسوا ہو گئیں آخر — ڈبایا ہائے ان آنکھوں نے آخر خانماں اپنا

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے — اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا — اس قدر جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا[1]

---

[1] قائم چاند پوری نے بھی اسی خیال کو اسی قافیہ میں اس طرح ادا کیا ہے:
کب میں کہتا ہوں کہ تیرا میں گنہگار نہ تھا — لیکن اتنی تو عقوبت کا سزاوار نہ تھا

جب چلا توں نہ چلا تیرے داماں پہ زور　　ہاتھ ناچار مگر ہو گریباں کو چلا

گل کو جو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں　　دُر کو جو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں

مجھ پر ہوا ہی تنگ سجن عرصۂ سخن　　بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

توفیق دے کہ شور سے اک دم تو چپ رہے　　آخر مرا یہ دل ہی الٰہی جرس نہیں

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا　　محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہی　　کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہی

اگر ملئے تو خفت ہی و گر دوری قیامت ہی　　غرض نازک دماغوں کو محبت سخت آفت ہی

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے　　ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

الٰہی مت کسو کے پیش رنج انتظار آوے　　ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

ذیل کی غزل میں واردات حسن و عشق کی اچھی مصوری کی گئی ہی اور زبان کی قدامت کے باوجود صفائی و روانی اور شگفتگی پائی جاتی ہی لفظ دیکھا کی تکرار نے شعروں کو حسین تر بنا دیا ہی۔

سحر اس حسن کے خورشید کوں جا کر جگا دیکھا　　ظہور حق کوں دیکھا خوب دیکھا با ضیا دیکھا

سجن کس کس مزہ سے آج دیکھا مجھ طرف یارو　　اشارت کر کے دیکھا ہنس کے دیکھا مسکرا دیکھا

ہیں دیکھا رات اس کی زلف کے بندر کو (؟) سحر زنجیر دیکھا، دام دیکھا، اژدہا دیکھا
نہیں پایا مر رونے کوں اور فریاد کوں بادل برس دیکھا جھڑی کوں باندھ دیکھا گڑگڑا دیکھا
نہیں ملتا مرا نازک ہٹیلا کیا کروں مظہر
تصدق ہو کے دیکھا، پاؤں پڑ دیکھا، منا دیکھا

دوسری خاص بات جو میرزا صاحب کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ سوز و گداز ہے اور یہ بھی حقیقت میں داخلیت کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر کہا گیا وہ عشق کے زخم خوردہ تھے اس لئے ان کے دل میں تڑپ تھی۔ وہ صوفی تھے اس لئے زندگی ان کی نگاہ میں ایک بے حقیقت چیز تھی۔ دنیا ان کے نقطۂ نگاہ سے صرف دیکھنے کی چیز تھی برتنے کی نہیں۔ یہاں خوشیاں کم ہیں حسرتیں زیادہ۔ انسان شہنشاہ کائنات ہونے کے باوجود مجبور محض ہے۔ اس کی زندگی رسوائی سے عبارت ہے اور اس کا انجام فنا ہے۔ ان احساسات و کیفیات کے زیر اثر میرزا صاحب کے کلام میں سوز و گداز کا پیدا ہونا ایک فطری بات تھی لیکن لطف یہ ہے کہ اُن کے اشعار نے مرثیہ کا رنگ اختیار نہیں کیا بلکہ ان میں تغزل کی پوری شان موجود ہے۔ مثلاً چند شعر یہاں دئے جاتے ہیں:

گئی آخر جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

زخمی تری نگہ کا اک پل جیا تو پھر کیا صیاد کی بغل میں ٹک دم لیا تو پھر کیا

ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن سے لیک جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آتی ہے بہار

اتنی فرصت دے کہ رخصت ہو لیں اے صیاد ہم مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم

اس کے دل میں کبھی تاثیر نہ کی
اے محبت اسے کیا کہتے ہیں؟

رونے سے تجھ فراق کے آنکھیں مری گئیں
ڈوبا یہ خاندان اس آنسو کو کیا کہوں

توفیق دے کہ شور سے یک دم تو چپ رہے
آخر مرا یہ دل ہی الٰہی جرس نہیں

آتش کہو، شرارہ کہو، کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

کبھی اس دل نے آزادی نہ جانی
یہ بلبل تھا قفس کا آشیانی

ان داخلی کیفیات و واردات اور سوز و گداز کے اظہار کے ساتھ ساتھ میرزا صاحب کے یہاں شاعرانہ سرمستی و بادہ نوشی اور نغمہ و سرود کی بھی ہلکی سی آواز آجاتی ہے۔

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

بہار آئی کھِل آئے باغ، بلبل پھول کر بیٹھی
دِوانوں کو کہو اس وقت کر لیویں علاج اپنا

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوزی و پنکھا صبا کے ہاتھ

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید میں
مینا لگا ہے جب سے تجھ بے نوا کے ہاتھ

جھکی ہے فوج گل اور عندلیباں کی پکار آئی
ارے ہنستا ہے کیا دہ دیکھ دیولانے بہار آئی

میرزا صاحب صوفی تھے۔ ان کی ساری عمر سلوک اور ارشاد و ہدایت میں گذری۔ اس لئے صوفیانہ مضامین کا ان کے یہاں ہونا ناگزیر تھا۔ انھوں نے

"سردلبری" کو بڑی دل کشی و ندرت کے ساتھ "فاش" کیا ہو اور لطف یہ ہو کہ ان اشعار میں زہد کی خشکی نہیں بلکہ تغزل کی رنگینی و رعنائی ہو۔ مثلاً چند اشعار یہاں لکھے جاتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر — فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سیں — مینا لگا ہو جب سیتی مجھ بے نوا کے ہاتھ

تجلی گر تری پست و بلند ان کو نہ دکھلاتی — فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا — محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

گذر گئے دین اور دنیا سے تس پر — ترا گھر اور کئی منزل رہا ہو

اگر ملئے تو خفت ہو وگر دوری قیامت ہو — غرض نازک دماغوں کو محبت سخت آفت ہو

کوئی کیوں ے دل اپنے کی خبر یا دلبر اپنے کی — کسی کا یار جب عاشق کہیں ہو گیا قیامت ہو

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے — ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں تجھے

اسلوب بیان | میرزا صاحب کا اسلوب بیان سادہ مگر شگفتہ و دل کش ہو۔ وہ بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے اور پھر صوفی تھے۔ اس لئے انھوں نے "سردلبراں" کو "حدیث دیگراں" کے پردے میں ظاہر کرنے پر عمل کیا۔ یہی وجہ ہو کہ ان کے یہاں فارسی غزل کی روایت یعنی اشارے اور کنائے

زیادہ ملتے ہیں۔ انھوں نے چمن، گُل، بلبل، آشیاں وغیرہ کی علامتیں خصوصاً زیادہ استعمال کی ہیں۔ ان اشاروں اور کنایوں کی وجہ سے ان کے کلام میں حُسن بھی پیدا ہوگیا ہو اور تاثیر بھی۔ ان کے یہاں بحروں کے استعمال میں تنوع ہو۔ انھوں نے عموماً مترنم بحروں کا انتخاب کیا ہو جس کی وجہ سے ان کے کلام میں غنائیت پیدا ہوگئی ہو۔ انتخاب الفاظ میں بھی وہ بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ صدق محاورہ اور صفائی زبان کی ان کے یہاں اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن ان کا کلام تعقید لفظی سے یکسر پاک نہیں۔ صنائع و بدایع کا استعمال بھی ان کے یہاں کم ہوا ہو مگر جو صنعت بھی استعمال کی ہو بڑی خوبصورتی سے کی ہو۔

زبان | میرزا صاحب کی زبان رفتہ و شستہ ہو۔ اوپر جو اشعار ہم نقل کر آئے ہیں وہ ہمارے دعوے کا بیّن ثبوت ہیں۔ انھوں نے کرخت اور ثقیل الفاظ جن کا بوجھ غزل برداشت نہیں کر سکتی استعمال نہیں کئے ہیں۔ لیکن دو ایک جگہ وہ غلط العوام کو غلط العام کے اصول پر استعمال کر گئے ہیں، مثلاً مجھ طرف، شتابی وغیرہ۔ فعل متعدی کا استعمال انھوں نے کئی جگہ دکنی طریقہ پر بھی کیا ہو، جیسے ہیں دیکھا، سجن دیکھا وغیرہ۔ مگر آئیاں، جائیاں وغیرہ سے جو میر و سودا کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں ان کا کلام پاک ہو۔ واوِ عطف کا غلط استعمال اس زمانہ کے چلن کے مطابق دو ایک موقع پر ہوا ہو، مثلاً چونری و پنکھا۔ اسی طرح اضافت کا غلط استعمال بھی کہیں کہیں ملتا ہو جیسے بیڑۂ پان۔

میرزا صاحب کے عہد میں س اور ص یا ر اور ڑ کا قافیہ جائز سمجھا جاتا تھا۔ تسبیح کو تسبیح، صحیح کو صحی باندھتے تھے۔ اسی طرح متحرک لفظ کو ساکن اور

ساکن کو متحرک بنا دیا کرتے تھے۔ ان کے اشعار میں س اور ص کا ایک بھی قافیہ نہیں ملتا۔ صرف ایک شعر میں انھوں نے ر اور ڑ کا قافیہ باندھا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

نہ جانوں صبحدم باد صبا کیا جا پکار آئی — کہ غنچہ کا دلِ نازک چمن کے بیچ پھاڑ آئی

اسی طرح مندرجۂ ذیل شعر میں ساکن کو متحرک کے طور پر استعمال کیا گیا ہے:

دیکھ کر گل نے کہا تجھ پہ نزاکت ہے ختم — کس ادا سا تہ لچکتا ہے یہ مار دامن

چند متروکات بھی مثلاً مکھ (بجائے منہ)، لگ (بجائے تک یا تلک)، آونے (بجائے آنے) وغیرہ ان کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ جن غزلوں یا اشعار میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ اس زمانہ کے ہوں جب وہ متروک نہیں ہوئے تھے۔ سوں، سیں، ستی وغیرہ ان تذکروں میں نقل کئے ہوئے اشعار میں ملتے ہیں جو دکن میں لکھے گئے، مثلاً تذکرۂ ریختہ گویاں (گردیزی) میں یہ مصرع اس طرح نقل ہوا ہے:

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے

یہی مصرع تحفۃ الشعرا (افضل بیگ قاقشال) میں اس طرح ملتا ہے:

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سوں زندگی کرتے

اس لئے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ خود میرزا صاحب نے سوں، سیں، ستی وغیرہ استعمال نہیں کیا یا آگے چل کو ترک کر دیا۔ لیکن دکن کے تذکرہ نگاروں نے چلن کے مطابق سے کے بجائے سوں یا ستی لکھ دیا۔

میرزا صاحب کو فارسی سے بہت لگاؤ تھا۔ اس کا اثر ان کے اردو کلام پر پڑنا لازمی تھا۔ چنانچہ ان کے یہاں بہت سی شگفتہ ترکیبیں ملتی ہیں۔ مثلاً

آتش کہو، شرارہ کہو، کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

نہیں کچھ غم کہ کیوں ملتا نہیں پیماں گسل میرا
میں روتا ہوں دل کی بے کسی پر ہائے دل میرا

مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوڑی و پنکھا صبا کے ہاتھ

کبھی اس دل نے آزادی نہ جانی
یہ بلبل تھا قفس کا آشیانی

سوائے دو لب شیریں یہ مجھے خوش[۱] نہیں شکر پارے
حلاوت فہم دل کھاتا ہے میٹھے جگ کے سب کھاجے

دیکھ کر گل نے کہا تجھ پہ نزاکت ہے ختم
کس ادا ساتھ لچکتا ہے یہ مارِ دامن

فارسیت کے زیر اثر میرزا صاحب نے بعض فارسی محاوروں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ مثلاً

نہ گل اپنا کیا میں نے نہ بلبل باغباں اپنا
یہ چمن میں کس بھروسے باندھتا ہے آشیاں اپنا (آشیاں بستن)

کہیں ڈوبے سیں جی کے وصل ہونا ہاتھ لگتا ہے
دیا برباد پروانے نیں ناحق وو وہاں اپنا (برباد دادن)

کبھی ملتا نہیں میرا ہٹیلا کیا کروں مظہر
تصدق ہو گئے دیکھا، پاؤں پڑ دیکھا، منا دیکھا (تصدق شدن)

۱۔ یہ لفظ بھی فارسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ خوش یعنی اچھا۔

غنیمت جان قاتل جان مظہر　　یہ مقتولوں میں ٹک بسمل رہا ہے (غنیمت دانستن)

مصحفی نے میرزا صاحب کی فصاحت زبان کا اس طرح اعتراف کیا ہے:

"در تمام دیوانش (دیوان یقین) فصاحت و بلاغت زبان استاد جلوہ ظہور می دہد۔" [۱]

احد علی یکتا لکھنوی اگرچہ بذات خود میرزا رفیع سودا کو افصح الفصحا مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ

"بعضی تصفیۂ محاورۂ اردو را بصفائی کہ مروج است بمیرزا جان جاناں المتخلص بہ مظہر کہ یکی از مشاہیر صوفیۂ این عصر گذشتہ نسبت دہند۔" [۲]

انشا نے دریائے لطافت میں اپنی اور میرزا صاحب کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ

"جناب فیض مآب میرزا صاحب علیہ الرحمۃ میرزا جان جاناں مظہر تخلص کی فصاحت اور بلاغت کی شہرت بے حد سننے میں آئی تھی۔" [۳]

انشا نے میرزا صاحب کی زبان کی دریائے لطافت میں ایک جگہ اور بالواسطہ تعریف کی ہے۔ میر غفر غینی کی زبان سے وہ کہتے ہیں کہ

"میر انشا اللہ خاں ..... اب چند روز سے شاعر بن گئے ہیں۔ میرزا مظہر جان جاناں کے روزمرہ کو نام رکھتے ہیں۔" [۴]

مولانا محمد حسین آزاد کی رائے ہے کہ

---

[۱] مصحفی: تذکرۂ ہندی ص۲۳۰ [۲] احد علی یکتا: دستور الفصاحت ص۲۶ [۳] انشا: دریائے لطافت، اردو ترجمہ از پنڈت برج موہن کیفی ص۲۷ [۴] ایضاً ص۹۵

"زبان ان کی (میرزا مظہر کی) نہایت صاف و شستہ اور شفاف ہے۔"[1]

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

"جو سودا اور میر کی زبان ہے وہی ان کی (میرزا مظہر کی) زبان ہے۔"[2]

سچ یہ ہے کہ مولانا آزاد کی رائے قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن مولانا حقیقت میں میرزا صاحب سے خوش نہیں اور جیسا کہ اوپر کہا گیا انھیں آب حیات میں بادلِ ناخواستہ جگہ دی ہے۔ اس لئے اس تعریفی جملہ کے فوراً بعد یہ اضافہ کرتے ہیں:

"لیکن سودا بھلا کسے خاطر میں لاتے تھے، چنانچہ سب آداب اور رعایتیں بالائے طاق رکھ کر فرماتے ہیں:

مظہر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ — سودا یقین جان کہ روڑا ہے باٹ کا
آگاہ فارسی تو کہیں اس کو ریختہ — واقف جو ریختہ کے ذرا ہووے ٹھاٹ کا
سن کر وہ یہ کہے کہ نہیں ریختہ ہے یہ — اور ریختہ بھی ہے تو فیروزشہ کی لاٹ کا
القصہ اس کا حال یہی ہے جو سچ کہوں — کتا ہے دھوبی کا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا"[3]

شیخ چاند نے بھی اپنی قابل قدر تصنیف سودا میں سودا کی لسانی اصلاح اور کوششوں کے سلسلہ میں اس قطعہ کا ذکر کیا ہے لیکن اپنے ماخذ کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ غالباً ان کا ماخذ آب حیات ہی ہے۔

آئیے اب ہم دیکھیں کہ خود اس قطعہ کی حقیقت کیا ہے۔

(۱) ہمارے سامنے نول کشور پریس کے چھپے ہوئے کلیات سودا کے متعدد ایڈیشن ہیں۔ ان میں اس قطعہ کا کہیں پتا نہیں، حالانکہ ان میں الحاقی کلام بھی موجود ہے۔

---

[1] مولانا محمد حسین آزاد: آب حیات ص ۱۴۲ [2] ایضاً ص ۱۴۳ [3] شیخ چاند: سودا ص ۳۵۵

(۲) ہماری درخواست پر جناب امتیاز علی خاں صاحب عرشی (رضا لائبریری، رام پور) نے کلیات سودا کا اپنا مخطوطہ دیکھا۔ اس میں بھی یہ قطعہ نہیں ہے۔

(۳) کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اُردو (حیدرآباد) میں کلیات سودا کے دو اہم مخطوطے ہیں۔ ایک کی تاریخ ترتیب قبل ۱۱۹۴ھ اور تاریخ کتابت ۱۲۱۳ھ ہے۔ دوسرے کی تاریخ ترتیب ۱۱۹۴ھ اور سنہ کتابت ۱۱۹۵ھ ہے یعنی یہ سودا کی زندگی ہی میں یا وفات کے فوراً بعد لکھا گیا ہے کیونکہ ان کی تاریخ وفات ۴ رجب ۱۱۹۵ھ ہے۔ فہرست مخطوطات کے مرتب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور لکھتے ہیں کہ

"اس کلیات کے آغاز میں اصلح الدین کا لکھا ہوا فارسی نثر میں دیباچہ ہے جو سودا کی موجودگی میں لکھا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلیات سودا کی زندگی ہی میں مرتب کیا گیا ہے۔"[۱]

ان دونوں نسخوں میں قطعۂ زیر بحث نہیں ہے۔

(۴) کتب خانۂ خدا بخش خاں (بانکی پور پٹنا) میں کلیات سودا کا ایک مخطوطہ ہے جس میں مذکورہ بالا قطعہ موجود ہے۔ لیکن اس مخطوطہ کا سال کتابت ۱۲۴۱ھ ہے گویا سودا کی وفات کے مدتوں بعد لکھا گیا ہے۔ اس لئے اس میں الحاقی کلام ہونے کا امکان ہے۔

ان شواہد کی موجودگی میں ہم اس کے سوا اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ قطعۂ زیر بحث سودا کی تصنیف نہیں بلکہ الحاقی کلام ہے۔

---

[۱] ڈاکٹر محی الدین قادری زور: فہرست مخطوطات اردو، کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد، جلد اول ص۱۰۳

حضرت میرزا مظہرؒ کی شستہ و رفتہ زبان اور شگفتہ انداز بیان سے قطع نظر سودا کو میرزا صاحب سے جو محبت و عقیدت تھی اس کی شہادت وہ قطعۂ تاریخ ہی جو انھوں نے میرزا صاحب کے شہید ہونے پر کہا تھا اور جسے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ اس لئے یہ باور کرنا مشکل ہی کہ سودا نے "سب آداب اور رعایتوں کو بالائے طاق رکھ کر" یہ قطعہ کہا ہو گا جس میں انتہا درجہ کی گستاخی و بے ادبی پائی جاتی ہی۔

یہاں عشقی عظیم آبادی کا یہ بیان بھی نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ

"اکثری از سخنوران آن عہد مثل میرزا رفیع سودا و میر تقی میر تخلص بار یاب صحبتش (صحبت میرزا مظہرؒ) می گردیدند و دقائق فنون شعر و سخن بطریق استفادہ می پرسیدند۔"[۱]

اس موقع پر میرزا صاحب کے چند باکمال معاصرین کی رائیں جو انھوں نے میرزا صاحب کی دقیقہ سنجی و سخن فہمی سے متعلق دی ہیں نقل کر دینا مناسب ہو گا کیونکہ ان سے عشقی کے بیان کی تائید ہوتی ہی۔

سراج الدین علی خان آرزو جیسا فاضل اجل و نکتہ سنج میرزا صاحب کی نکتہ رسی و دقت فہم کی اس طرح دیتا ہی:

"در دقت فہم و ذکای طبع یکتای لیل و نہار بلکہ بی مثل روزگار است حدت طبع و جودت بمرتبہ دارد کہ مصداق این مصرع است

---

[۱] عشقی عظیم آبادی: تذکرۂ عشقی (قلمی)

کہ سخن شگفتہ باشی بسخن رسیدہ باشد۔"[1]

قائم کی رائے ہے کہ

"(حضرت میرزا مظہرؒ) سرآمد ارباب تحقیق و پیشرو اہل تدقیق است۔"[2]

میر حسن جو تذکرہ نگاروں میں اپنی شعر فہمی و سخن سنجی کے لئے ممتاز ہیں میرزا صاحب کو "فصحائے زمان و بلغائے دوران"[3] میں شمار کرتے ہیں۔

---

[1] سراج الدین علی خان آرزو: مجمع النفائس (قلمی)، [2] قائم چاند پوری: مخزن نکات ص۳۲
[3] میر حسن تذکرہ شعرائے اردو ص۱۷۱

(۳) خریطۂ جواہر

قدیم زمانہ میں بیاض رکھنے کا عام دستور تھا۔ میرزا مظہرؒ نے بھی اشعار کی ایک بیاض بنائی تھی اور اس میں اپنی پسند کے فارسی اشعار لکھتے گئے تھے۔ اس بیاض یا انتخاب کا نام خریطۂ جواہر ہو اور یہ فارسی دیوان کے ساتھ چھپ گیا ہو۔ ہم سلسلۂ حالات میں لکھ آئے ہیں کہ مختلف معاصر تذکرہ نگاروں کا بیان ہو کہ میرزا صاحب کو اپنے شاگردوں سے بڑی محبت تھی اور انھیں ان کے ذوق سخن کی تربیت کا بہت خیال رہتا تھا۔ بہت ممکن ہو کہ یہ انتخاب انھوں نے اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی تربیت کے لئے کیا ہو۔ اس انتخاب کا ذکر ہم کو سب سے پہلے گلشن بیخار میں ملتا ہو۔ کسی معاصر تذکرہ نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن صاحبِ مطبعِ مصطفائی نے دیوانِ فارسی اور خریطۂ جواہر کے خاتمہ پر جو کچھ لکھا ہو اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہو کہ یہ انتخاب میرزا صاحب ہی کا ہو۔ اگرچہ صاحبِ مطبع کی عبارت ہم فارسی کلام (یا دیوان) کے سلسلہ میں نقل کر آئے ہیں لیکن یہاں اس کا اعادہ نامناسب

نہ ہوگا۔

"جناب شان (یعنی میرزا مظہر جان جاناں اسکنہ اللہ فی فردوس الجنان) در ایام شباب از دواوین اساتذہ انتقاط فرمودہ بودند و بکمال طوع و رغبت علی الدوام نصب العین می داشتند و نسخۂ مذکورہ اکثر ہا بخدمت شاہ غلام علی صاحب می بود استعارۃً بدست آوردہ فوز عظیم پنداشت و رقم مراد بر لوحۂ دل نگاشت چون اشاعت آن گوہر یکتا برای احتظاظ ارباب مذاق بمضمون مصرع

کہ حلوا بہ تنہا نبایست خورد

مذکور خاطر فاتر گردید بعنایت الٰہی آن تمنا ہم آغوش حصول گشت و دیوان موصوف مع ضمیمۂ آن باہتمام احقر حلیۂ طبع پوشید۔"

معاصر تذکرہ نگاروں کے یہاں اس کے ذکر نہ ہونے کا یہ سبب ہو سکتا ہے کہ چونکہ یہ بیاض تھی بر سر عام نہ آئی ہوگی۔

اس انتخاب کو دیکھکر سب سے پہلے جو چیز ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ میر صاحب کا فارسی شاعری کا مطالعہ کتنا وسیع تھا۔ اس میں تقریباً پانچ سو شعرا کے کلام کا انتخاب ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو آسمان شاعری پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور وہ بھی ہیں جن کے نام سے بھی شاید بہت کم لوگ واقف ہوں گے۔ غیر معروف شعرا کے کلام کا انتخاب نسبتہً زیادہ ہے۔ اس میں مولانائے روم، عراقی، خواجو وغیرہ کا انتخاب شامل نہیں، حالانکہ یہ لوگ قصر غزل کے اہم ترین معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ کے صرف دو شعر دیئے ہیں۔ سراج الدین علی خاں آرزو کا

صرف ایک شعر نقل کیا ہی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ میرزا صاحب نے بالقصد زیادہ تر غیر معروف شعرا کے کلام کا انتخاب کیا ہی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مشہور و معروف شعرا کے کلام کا انتخاب تو اکثر تذکروں میں مل جاتا ہی لیکن غیر معروف شعرا کا چونکہ تذکروں میں ذکر نہیں ہوتا اس لیئے ان کے جواہر پارے کبھی عام نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں اور واقعی اس انتخاب کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہی کہ کیسے کیسے جواہر پارے اپنی آب و تاب دکھلائے بغیر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں بعض غیر معروف شعرا کے چند اشعار خریطۂ جواہر سے یہاں نقل کر دیں۔

آن کس کہ یاد او نکنی در ہزار سال　　روزی ہزار بار ترا یاد می کند
(خواجہ آصفی)

ای جنس وفا چون تو متاعی بجہان نیست　　عیب تو ہمین ست کہ در کشور مائی
(میرزا اختر یزدی)

راز نہان محمل او می توان شنید　　افغان! کہ با زبان جرس آشنا نیم
(حکیم الہی)

چندین قفس ز شوخی بال و پرم شکست　　آہ! از کجا نصیب من این اضطراب شد
(خواجہ افضل ترکہ)

اضطرابم نگذارد کہ نشینم جائی　　انتظارت نگذارد کہ ز جا برخیزم
(عبد الباقی بدرتری)

ہیم از وفا مدار بدہ وعدۂ کہ من　　از ذوق این نوید بعشر روانی رسم
(عبد السلام بیانی)

کاش ای محرم نمی پرسیدیم کان مہ کجاست　　یک سخن گفتی و از چندین گمانم سوختی
(مولانا حزنی اصفہانی)

چو طفلِ مریضم بہ ہمہ زمانہ ــــ بہر عضو دردی و گفتن ندانم
(خواری تبریزی)

گیرم کہ رود قاصدِ من سوی دیارش ــــ با او کہ دہد نامہ و پیغام کہ گوید
(ملا صبائی)

مارا بنامہ نیز فراموش کردہ ــــ دانستہ، کہ دیدہ مارا سواد نیست
(ملا برہان)

یہ انتخاب یقیناً میرزا صاحب نے حافظہ کی مدد سے کیا ہوگا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہو کہ بعض شعرا کا انتخاب دو جگہ آیا ہو، یعنی ایک شاعر کے کچھ اشعار پہلے لکھے، پھر اور بعض شاعروں کے اشعار نقل کرنے کے بعد اس شاعر کے چند اور اشعار یاد آ گئے اور انھیں بھی نقل کر دیا۔ مثلاً طالب آملی کا انتخاب ۱۰۳ پر بھی ہو اور ۱۰۵ پر بھی۔ نظیری نیشاپوری کے کلام کا انتخاب صفحہ ۱۳۰ پر بھی ہو اور صفحہ ۱۳۹ پر بھی۔ ملک قمی کے اشعار کا انتخاب پہلے صفحہ ۱۲۱ پر ہو، پھر دو شاعروں کے کلام کے بعد صفحہ ۱۲۲ پر اور پھر ایک شاعر کے چند اشعار کے بعد اسی صفحہ پر۔

خریطۂ جواہر میں عموماً ہر شاعر کے معدودے چند اشعار دیے گئے ہیں۔ ایسے شعرا کی کافی تعداد ہو جن کے صرف ایک ہی شعر کا انتخاب ہوا ہو۔ لیکن مندرجۂ ذیل شعرا کے اشعار کا نسبتہً زیادہ انتخاب کیا گیا ہو اور اس سے قیاس کیا جا سکتا ہو کہ میرزا صاحب کن شعرا سے زیادہ متاثر تھے۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہو کہ دوسرے تذکرہ نگار شاعروں کی طرح میرزا صاحب نے بھی سب سے زیادہ اپنے ہی اشعار کا انتخاب کیا ہو۔

شاپور طہرانی ۲۲ اشعار	میر صیدی طہرانی ۳۱ اشعار

میرزا قلی ۲۳ اشعار	نظیری نیشاپوری ۳۱ اشعار
امیر خسرو ۲۳ " اور ایک رباعی	عرفی شیرازی ۳۳ "
میرک صالح ۲۶ "	میرزا ولی دوست ۴۲ "
محمد افضل سرخوش ۲۷ اشعار	حکیم شرف الدین شفائی ۵۱ "
طالب آملی ۲۸ اشعار اور ایک رباعی	میر رضی دانش ۵۲ "
ملا باقر کاشانی ۳۰ "	میرزا مظہرؒ ۶۸ "

ان میں سے بعض شعرا مثلاً عرفی، صیدی، میرزا مظہرؒ کے کلام کا انتخاب ردیف وار ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ بعض شعرا کا کلام میرزا صاحب نے ان کے دیوان کی مدد سے کیا ہے۔

میرزا صاحب کے فارسی واردو کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے کہ ان کے کلام کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی داخلیت (یا کیفیات عشق کی مصوری) ہے۔ اشعار کا انتخاب، انتخاب کنندہ کے میلانات کی آئینہ داری کرتا ہے۔ میرزا صاحب کا کلام ہی نہیں بلکہ زندگی عشق میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس لئے ان کی نگاہ انتخاب لازمی طور پر ایسے ہی اشعار پر پڑتی تھی جن میں عشق اور واردات عشق کا ذکر ہو۔ اس انتخاب کی ابتدا حضرت ابوسعید ابی الخیر کی رباعیات سے ہوتی ہے۔ یہ پہلی ہی رباعی ہے:

آن روز کہ آتش محبت افروخت | عاشق روش سوز ز معشوق آموخت
از جانب دوست سرزد این سوز و گداز | تا در نگرفت شمع پروانہ نسوخت

حضرت ابوسعیدؒ ہی کی ایک اور رباعی ہے:

ببرید ز من نگار ہمخانگیم   بدرید ز من لباس فرزانگیم
مجنون بہ نصیحت دلم می آید   بنگر کہ کجا رسید دیوانگیم

نامناسب نہ ہوگا اگر غزلوں کے چند اشعار یہاں نقل کر دیئے جائیں تاکہ میرزا صاحب کے نگاہِ انتخاب کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکے۔

خواہی بخشم ناز شود کم محبتم   غافل کہ این کرشمہ محبت فزون کند
(اہلی شیرازی)

بصد کرشمہ و نازم شکار خود کردی   کنون کنارہ گرفتی چو کار خود کردی
(اہلی شیرازی)

دانم کہ سراپای وجودم ہمہ دردست   داغ تو ندانم کہ کجا ہست و کجا نیست
(ملا باقر کاشانی)

مارا وداع کرد دل و دین ہرچہ بود   الا سر نیاز کہ بر آستان بماند
(امیر خسرو)

زمردم یار می پرسد کہ حالی کیست طالع بین   کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا
(نعمت خان عالی)

حسرت اینست کہ صیاد مرا چندانی   در قفس داشت کہ راہ چمن از یادم شد
(نعمت خان عالی)

رسوا منم وگرنہ تو صد بار در دلم   رفتی و آمدی و کسی را خبر نشد
(نظیری)

بوی یار من ازین سست وفا می آید   گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم
(نظیری)

ناصح زبان کشود کہ تسکین دہد مرا   نام تو برد باعث صد اضطراب شد
(ہلالی)

با سایہ ترا نمی پسندم   عشقست و ہزار بدگمانی
(والہ داغستانی)

ہر کہ خواہد کہ زکوی تو رود من ضامن　　　اضطرابش نگذارد کہ قدم بردارد
(میر سعیدی)

با آنکہ صرف شد ہمہ عمرم بانتظار　　　آگہ نیم ہنوز کہ چشم براہ کیست
(میر سعیدی)

انتخاب کسی کا ہو اس سے ..... فی صدی اتفاق ہونا بہت مشکل ہے۔ بعض اشعار حالات کی بنا پر ہم کو متاثر کرتے ہیں اور حالات مختلف اشخاص کے مختلف ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں انتخاب پر مجموعی حیثیت سے نگاہ ڈالنی چاہیئے۔ بہ حیثیت مجموعی خریطۂ جواہر کو ایک نہایت عمدہ انتخاب کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ایسے عمدہ اشعار کا انتخاب ہوا ہے جو ہمارے شعری ذوق کی تربیت کر سکتے ہیں اور جن سے مذاق سخن بلند سے بلند تر ہو سکتا ہے یعنی یہ پاکیزہ و لطیف اشعار کا انتخاب ہے۔

خاتمۂ سخن پر فارسی شاعری کے سب سے بڑے نقاد مولانا شبلی کی رائے اس انتخاب سے متعلق نقل کر دینا افادہ اور دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے تذکروں کے سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ

"افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ جو چیز تذکرہ کی جان ہے وہی نہیں۔ ایران میں تذکرہ سے مقصود عمدہ اشعار کا انتخاب ہوتا تھا، چنانچہ ابتدائی تذکرے صرف انتخابات ہیں۔ مرزا صائب کا انتخاب آج بھی موجود ہے جس میں کسی شاعر کا حال برائے نام بھی نہیں۔ صرف اشعار ہی اشعار ہیں۔ لیکن انتخاب اس درجہ کا ہے کہ ہزاروں تذکرے اس پر سے نثار کر دیئے جائیں۔ داغستانی[1]

---

[1] ریاض الشعرا مصنفہ والہ داغستانی

اور آتشکدہ آذر میں گو حالات بھی ہیں لیکن اصل خصوصیت موجود ہے۔ بخلاف ان کے خزانہ عامرہ بلکہ آزاد کے تینوں تذکرے گویا لغو اشعار کا مجموعہ ہیں۔ تمام کتاب میں مشکل سے ایک آدھ شعر اچھا نکل آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں تمام ہندوستان کا مذاق شاعری سخت خراب ہو چکا تھا۔ مضمون آفرینی یعنی جھوٹی خیال بندی پر لوگ جان دیتے تھے۔ زبان کی دل آویزی، لطف بندش، لطافت و نزاکت سے کسی کو غرض نہیں رہی تھی، چنانچہ اس عہد کے جتنے تذکرے ہیں سب اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ خان آرزو کا مجمع النفائس اس عہد کا عمدہ ترین تذکرہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی بھی یہی حالت ہے۔ یہ بد مذاقی اخیر تک قائم رہی، یہاں تک کہ حضرت میرزا مظہر جان جاناں نے ریزۂ جواہر[۵۱] انتخاب کیا۔ میں نے ثقات دہلی سے سنا ہے مرزا غالب وغیرہ کا خیال تھا کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا مذاقِ صحیح جو دوبارہ قائم ہوا وہ اس انتخاب نے قائم کیا۔"[۵۲]

---

۵۱ معلوم ہوتا ہے کہ سہواً مولانا شبلی کے قلم سے "ریزۂ جواہر" لکھ گیا ورنہ اس انتخاب کا صحیح نام خریطۂ جواہر ہے۔
۵۲ مولانا شبلی: مقالات شبلی جلد پنجم ص۱۲۵

مرزا مظہر جان جاناںؒ

اور

ان کا اردو کلام

از

عبد الرزاق قریشی

رفیق انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

ناشر

ادبی پبلشرز، بمبئی

۱۹۶۱ء

اشعارِ مظہر

(ا)

میرزا مظہرؒ کے یہ اشعار ہم نے مختلف مطبوعہ اور قلمی تذکروں اور بیاضوں سے جمع کئے ہیں۔ حاشیہ میں ہر شعر کا ماخذ بتادیا گیا ہے۔ مختلف تذکروں اور بیاضوں میں بہت سے اشعار کی مختلف قرأتیں پائی جاتی ہیں، ہم نے حاشیہ میں اختلافات ظاہر کردئے ہیں۔ ماخذ بتانے اور اختلافات ظاہر کرنے میں مندرجۂ ذیل مخففات استعمال کئے گئے ہیں:

ن	نکات الشعرا	ش	تذکرۂ شورش
ت	تحفۃ الشعرا	گ ا	گلزار ابراہیم
گ	تذکرۂ ریختہ گویان	طس	طبقات سخن
گ گ	گلشن گفتار	ت ہ	تذکرۂ ہندی
م	مخزن نکات	م ا	مجموعۂ انتخاب
ر	ریاض حسنی	ع	عیارالشعرا
چ	چمنستان شعرا	ع م	عمدۂ منتخبہ
ط	طبقات الشعرا	ع ش	تذکرۂ عشقی
ح	تذکرۂ شعرائے اردو	م ن	مجموعۂ نغز
گ س	گلشن سخن	گ ب	گلشن بیخار
م ف	تذکرۂ مسرت افزا	خ	تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا

ک	طبقات شعرائے اردو
گ د	گلشن ہمیشہ بہار
س	سخن شعرا
ط ک	طور کلیم
ا	آب حیات
ب	بیاض پروفیسر نجیب اشرف ندوی
ب ا	بیاض احسن مارہروی (مسلم یونی ورسٹی لائبریری)

ب ج	بیاض جامع مسجد بمبئی (کتب خانہ)
م ش	مجمع الاشعار (کتب خانہ سالار جنگ)
م ک	مجموعۂ کلام شعرائے قدیم (")
ک ل	کشکول (")
ب ض	بیاض نمبر ۶۳۵ (")
ب س	" " ۶۱۳ (")
م ر	مرقع شعرا (مرتبہ رام بابو سکسینہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ا)

(۱) گئی آخر جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا — نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

(۲) ہمارے ہاتھ سے یہ دل بھی بھاگا لے کے جاں اپنا — ہم اس کو جانتے تھے دوست اپنا مہرباں اپنا

(۳) کبھو جا باغباں سے شیتے کے گلستاں اپنا — چلے ہم آتش گل سے جلا کر خانماں اپنا

(۴) نہ گل اپنا کیا میں نے نہ بلبل باغباں اپنا — چمن میں کس بھروسے باندھتا ہو آشیاں اپنا

---

(۱) گ، م، رچ، ط، ح، ش، گ، س، م، ن، ع، ا، م ش، م ک، ب ح، م ر۔

[م: چلے ہم گل کے ہاتھوں سے جلا کر خانماں اپنا

ط: چلی آخر جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا — ح، م ر: چلی اب گل کے ہاتھوں سے جلا کر آشیاں اپنا

م ن: چلی یہ گل کے ہاتھوں سے جلا کر آشیاں اپنا

ع: چلی بلبل جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا — نہ چھوڑا حیف ہر اون نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

ا: چلی اب گل کے ہاتھوں سے لٹا کر کارواں اپنا

م ش: دو کھیا ری ہجر کی آتش سے جل کر خاک ہو اور گئی — نہ چھوڑی ہائے بلبل نے چمن میں آشیاں اپنا

ر، گ س: اپناں ... چمن میں ہائے بلبل نے نہ چھوڑا کچھ نشاں اپنا

(۲) گ، ت، رچ، ش، م ف [ت: ہمارے ہاتھ سے بھاگا ہے دل لے جان جاں اپنا — ر: ہمارے ساتھ ہیں....

ش: ہمارے ساتھ ہے.... — م ف: ہم اس کو جانتے تھے مشفق اپنا مہرباں اپنا — ت: کوں]

(۳، ۴) م ش

(۵) یہ حسرت رہ گئی۱؎ کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے — اگر ہوتا۲؎ چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

(۶) جنوں۳؎ سوا اس قدر روئیں کہ رسوا ہو گئیں آخر — ڈبایا۴؎ ہائے ان آنکھوں نیں۵؎ آخر خانماں اپنا

(۷) قفس کے بیچ کیا حسرت سنی بلبل یہ کہتی ہو — کہ پھر بھی دیکھنا قسمت ہوئے گا بوستاں اپنا

(۸) یہ بلبل بے اجازت باغباں کے گل نہیں۶؎ چنتی ہو — مجھے معلوم ہوتا ہو کہ جی دے گی ندھاں۷؎ اپنا

(۹) کہیں۸؎ دینے جی کے وصل ہونا ہات لگتا ہو — دیا برباد پروانے نیں۹؎ ناحق دودماں اپنا

(۱۰) مرا۱۰؎ جلتا ہو دل۱۱؎ اس بلبلِ بے کس کی غربت پر — کہ گل۱۲؎ کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا

(۱۱) رقیباں۱۳؎ کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہو نہ خوباں کی — مجھے ناحق ستاتا ہو یہ عشقِ بدگماں اپنا

---

(۵) گ، ت، ر، ط، پ، ح، ش، م ف، گ س، م ن، ع، ۱، م ش، م ک، ب ض، م ر [۱؎ ت: کس کس مزے سوں

۲؎ م ف، ع، م ش، م ک، ب ض: کس کس مزے سے ش، گ س، م ن، ۱: کیا کیا مزے سے
۱، ح: کن کن مزوں سے م ر: کیا کیا مزے کی

۳؎ ت: اگر ہوتا گل اپنا، گلبن اپنا، باغباں اپنا م ش: اگر ہوتا گل اپنا گلشن اپنا.....

(۶) ت، ۱، م ش، م ک، ب ض [۳؎ ۱، م ک، ب ض: الم سے یاں تلک روئیں.....]
۴؎ ۱: ڈبایا ہائے آنکھوں نے نزدہ کا خانداں اپنا ۵؎ م ک، ب ض: نے

(۷) ت

(۸) ت، گ س [۶؎ گ س: سے ۷؎ گ س: نداں]

(۹) ت، م ک، ب ض [۸؎ م ک، ب ض: کہیں دینے سے جی کے وصلِ خوباں ہات آتا ہو ۹؎ م ک، ب ض: نے]

(۱۰) گ، ت، ر، پ، ح، ش، گ س، ۱، م ک، ب ض [۱۰؎ ۱: مرا جی جلتا ہو..... ۱۱؎ ر، ح، ش، گ س: جی ۱۲؎ م ک، ب ض: کہ گل کے آسرے میں جس نے باندھا آشیاں اپنا

(۱۱) م، ط، م ک، ب ض، م ر [۱۳؎ م ک، ب ض: نہ کچھ تقصیر ثابت ہو رقیبوں کی نہ خوبوں کی
ط: نہ کچھ تقصیر اب ثابت ہو اس دل کی نہ خوباں کی]

(۱۲) جو تو نے کی سو دشمن بھی نہیں دشمن سے کرتا ہو　　غلط تھا جانتے تھے تجھ کو جو ہم مہرباں اپنا

(۱۳) کوئی[1] آزردہ کرتا ہو سجن ایسے[2] کو[3] ہی ظالم!　　یہ[4] دولتخواہ اپنا، مظہر اپنا، جان جاں اپنا

---

(۱۴) بہار[1] آنے سے بلبل نے بگاڑا ہو مزاج اپنا　　سماتی نہیں ہو پھولوں میں مگر پائی ہو راج اپنا

(۱۵) بہار آئی کھل آئے باغ بلبل پھول کی بیٹھی　　دوانو کو کہو اس وقت کر لیویں علاج اپنا

(۱۶) گلوں کے فرش پر مست بیٹھ چونٹے کو پھلا بلبل　　خزاں کے آونے کی ہو خبر رکھ سر کے تاج اپنا

---

(۱۲) ا

(۱۳) گ، ت، م، ر، چ، ط، ح، ش، م، ف، گ س، م ن، ع، ا، م ش، م ک، ب ص، م ر

[1] م ر: کوئی آزار کرتا ہو سجن اپنے کو ہو ظالم!

ط، ح، م ر: کوئی آزردہ کرتا ہو سجن اپنے کو ہو ظالم! ع: کوئی آزردہ کرتا ہو صنم اپنے کو ہو ظالم!

م ش: سجن آزردہ کرتا ہو کوئی ایسے کو اے ظالم　[2] گ ت: کوں　[3] ر: اے

[4] ت: جو

(۱۴ تا ۱۶) [1] لچھمی نرائن شفیق نے اپنے تذکرہ "چمنستان شعرا" میں میرزا صاحب کے چند اشعار اپنی پسند کے لکھنے کے بعد بہت سے اشعار نکات الشعرا (میر تقی میر) اور تذکرۂ ریختہ گویان (فتح علی گردیزی) سے نقل کئے ہیں۔ ان اشعار کے نقل کرنے سے پہلے وہ لکھتے ہیں کہ:

"این چند اشعار آبدار منتخب علی خان و میر تقی میر می نویسند۔" (چمنستان شعرا صفحہ ۲۵)

یہ اشعار بھی اسی عبارت کے تحت نقل ہوگئے ہیں لیکن یہ نہ نکات الشعرا میں پائے جاتے ہیں اور نہ تذکرۂ ریختہ گویان میں۔ کسی اور تذکرہ یا کتاب میں بھی یہ اشعار ہماری نظر سے نہیں گذرے۔

(۱۷) سحر اس حسن کے خورشید کوں جا کر جگا دیکھا | ظہورِ حق کوں دیکھا، خوب دیکھا، با ضیا دیکھا

(۱۸) نہیں پایا ہے مر رہنے کوں اور فرہاد کو بادل | برس دیکھا، جھڑی کوں باندھ دیکھا، گڑگڑا دیکھا

(۱۹) سجن کس کس مزے سے آج دیکھا ہم[1] طرف یارو | اشارا[2] کر کے دیکھا، ہنس کے دیکھا، مسکرا دیکھا

(۲۰) ہمارے دل کوں کس کس[3] ظلم سوں دیکھا او ظالم نے | نظر میں جہاں دیکھا، داغ کر دیکھا، جلا دیکھا

(۲۱) سجن[4] کوں اپنے رنگیں اچیلوں خوبی کی فوجوں میں | نپٹ بے باک دیکھا، رند دیکھا، من چلا دیکھا

(۲۲) جو اٹھ کر نیند سے تیری طرف دیکھا او سارانن | تماچہ قہر کا دیکھا، غضب دیکھا، بلا دیکھا

(۲۳) ہوا[5] ہوں بند اس کے غم میں اوس دن سوں؟ | کہ وہ مجھکوں نظر بھر بھر کے دیکھا، دل جلا دیکھا

(۲۴) ہیں دیکھا رات وس کی زلف کے پیچوں کے بند کوں | سحر زنجیر دیکھا، دام دیکھا، اژدہا دیکھا

(۲۵) کبھی ملتا نہیں میرا ہٹیلا کیا کروں مظہر | تصدق ہو کے دیکھا، پاؤں پڑ دیکھا، منا دیکھا

---

(۲۶) گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا | اس[7] قدر جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

(۲۷) لوگ کہتے ہیں موا مظہر بے کس افسوس! | کیا[8] ہوا اس کے تئیں اتنا تو بیمار نہ تھا

(۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱) ک، ن، م ش [۱ م ش: منجھ ۲ م ش: اشارت ۳ م ش: کیا کیا ظلم ہے
۴ م ش: سجن اپنے کوں سارے چیلے خوباں کی فوجوں میں]

(۲۲، ۲۳) ک ل [۵ مصرع میں سکتہ ہے۔ ایک رکن کم ہے۔]

(۲۴، ۲۵) ک ل م ش [۶ م ش: نہیں ملتا مرا نازک ہٹیلا کیا کروں مظہر]

(۲۶) گ، گ س، گ ا، ت ع، م ن، ع، ع م، س، د [۷ م ن، ع، ع م، س، د: لیکن اس]

(۲۷) ح، ت، ہ، م ن، م د، خ، گ ب، خ گ، د، ک، س، ط، ا [۸ م ن، گ ب، گ ہ، س ا:
کیا ہوا اس کو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا ط: کیا ہوا اس کو کہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا]

(۲۸) زخمی تری نگہ کا اک پل جیا تو پھر گیا
صیاد کی بغل میں ٹک دم لیا تو پھر گیا

---

(۲۹) نہیں کچھ غم کہ کیوں[۱] ملتا نہیں پیماں گسل میرا[۲]
میں[۳] روتا ہوں یہ دل کی بے کسی پر ہائے دل میرا

---

(۳۰) سوبا پڑا ہی کیا اے نازک بدن اکیلا
کس بیر کا وہ سویا جامہ اسے اٹھا لا

---

(۳۱) جب گانٹھ کھولے زلف کی تب میں وو بیگانہ ہوا
تیری گرہ کا کیا گیا میں سب میں بیگانہ ہوا

---

(۳۲) وقت ہی ماہ رو کے آنے کا
فکر کر شمع کے بجھانے کا

---

(۳۳) کیوں کماں ابرو اوپر قرباں ہوا
چلہ کش کو کیا مگر گوشہ نہ تھا

---

(۲۸) گ، ر، چ، ش، گ س،

(۲۹) گ، ر، چ، گ س، گ د، ت ع، ط س، د [۱ گ د: یوں

۲ ر: نہیں کچھ غم کہ دل ملتا نہیں پیاں گسل میرا

۳ ر، ت ع، ط س: کہ میں روتا ہوں دل ..... چ، گ س: میں روتا ہوں کہ دل .....

(۳۰ تا ۳۳) ب

(۳۴) ملاحت ہی ترے اس حسن میں جاوید روز افزوں
اگر غفلت کی خو جاوے تو جو (؟) عاشق کا

---

(۳۵) خوب لکھتا ہو سب جواہر ہیں
زور موتے ہی بے بہا لڑکا

---

(۳۶) چلی ہے پتنی دکن دخت ظفر خاں
مگر قسمت میں آب نہ بڑا تھا

---

(۳۷) جب چلا تو نچ چلا کچھ ترے دامان پہ زور
ہات ناچار مکدر ہو گریباں کو چلا

---

(۳۸) جواں مارا گیا خوبوں[۱] کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ[۲] تھا خوب کام آیا[۳]

(ت)

(۳۹) رات کو عیش رہا تھا گل رخسار کے سات
جیسے بلبل خوشی رہتی ہو گلزار کے سات

(۳۴ تا ۳۶) ب [[۱] اس شعر کے مقابل میں بیاض میں یہ الفاظ لکھے ہیں: "در ہجو دخت ظفر خان کہ بناصر جنگ پسر آصف منسوب شدہ بدکن رفت۔"

(۳۷) ر

(۳۸) ن ک، ر، ج، لا، ح، م ن، ع، د، ب، س، ب ج [[۱] گ، ط، ح، ع: خوباں م ن، د، ب ج، : خوباں کے بدلے ر: خوبوں کی خاطر [۲] ع: تھا کچھ [۳] ب ج: بھلا تھا یا برا تھا جس طرح تھا خوب کام آیا

(۳۹) ک ل

(۴۰) زلف کوں ہات لگاتے ہی پکارا دل نے — جی چلا پینچ میں اس زلفِ گرہ گیر کے سات

(۴۱) دل بہا اس طرح سے اور ہو یارو — جان جاتا ہو جدا مشک کی مہکار کے سات

(۴۲) گر جدا سلوب ہو سکے تو کچھ انصاف کرو — زندگی کیوں کہ کٹے ایسے ستمگار کے سات

(۴۳) ایک دم تھا سو بھی غم رہا آیا ناک میں ٹھہر — جی گیا، جان گیا، دم بھی چلا یار کے سات

(د)

(۴۴) کیا مزہ کا خال ہو تجھ مکھ پہ میرا اعتقاد — خوب ہو آنکھاں کے بادام کوں اس تل کا سواد

(ر)

(۴۵) ہم نے کی ہو توبہ اور دھومیں مچاتی ہو بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں! کیا مفت جاتی ہو بہار

(۴۰ تا ۴۳) ک ل

(۴۴) ر

(۴۵) ن، گ م، ر، پ ج، ط، ح، ش، گ س، گ د، ت ع، م ن، گ ب، ع، ع م، گ، د، ک
س، د، ب مش [ک : میں ؎ گ ب، گ ہ، ع، ع م، گ، س، د : بس
؎ ح، ت ع : چارا ؎ گ س، گ ب، گ ہ، ک، س : اور

(۴۶) لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور — کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار
(۴۷) نرگس[۱] و گل کی دیکھو کلیاں کھلی جاتی ہیں سب — پھر ان خوابیدہ مستوں[۲] کو جگاتی ہے بہار
(۴۸) ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن سے[۳] لیک — جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آتی ہے بہار
(۴۹) شاخ گل ہلتی نہیں یہ بلبلوں کو[۴] باغ میں — ہاتھ اپنے کے اشارے[۵] سے بلاتی ہے بہار

---

(۵۰) لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر — فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

---

(۵۱) ہم سے نازک بدن ہوا باغی — کیوں نہ ملنے کو اب لگاوے بیر

---

(۵۲) یار میرے کے گھر میں ہے بیری — دن میں دیتا ہے مجکو سو سو بیر

---

(۴۶) گ، م، ر، پ، چ، ش، گ س، م ن، ع، ب ض

(۴۷) گ، ر، پ، ج، ش، گ س، ب ض [۱ گ س: نرگس و گل کی کھلی جاتی ہیں کلیاں دیکھو سب
۲ چ: فتنے ش، گ س: فتنوں]

(۴۸) گ، پ، ش، م ف، گ ا، ب ض [۳ م ف: سے]

(۴۹) ر، ج، م ن، د، ب ض [۴ م ن: کوں ۵ چ: اشارت]

(۵۰) م ن

(۵۱، ۵۲) ب

(ق)

(۵۲) جہان آباد ان دونوں کے ہی بیچ
ادھر جمنا، اودھر رمنا ہی تحقیق

(ل)

(۵۳) اب کوئی ساعت میں آ صیاد، گر ناہو ملول
ایک دم کوں بلبلو کیوں بیٹھتی ہو پھول پھول

(م)

(۵۴) اتنی فرصت دے کہ رخصت ہولیں، اوصیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم[a]

(۵۳ و ۵۴) ب

(۵۵) گ، ر، ج، ش، م، ف، [سلہ ج: ہووین]

[a] گلزار ابراہیم اور تذکرہ میر حسن میں یہ شعر عمدۃ الملک میر خاں انجام کی طرف منسوب ہی۔ گلزار ابراہیم میں پہلا مصرع یوں درج ہی: ٹک تو فرصت دے کہ ہولیں رخصت، او صیاد ہم میر حسن نے یوں نقل کیا ہی ٹک تو فرصت دے کہ رخصت ہو چلیں صیاد ہم اگرچہ ان میں میر انجام کی پوری غزل موجود ہی پھر بھی ہم اس شعر کو میر زا صاحب کے اشعار میں رکھتے ہیں کیونکہ گردیزی، فتوت، شفیق، شورش اور ابوالحسن، میر حسن اور ابراہیم پر متقدم ہیں۔

ن

(۵۶) گل رو کو جو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں | دُر کو جو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں
(۵۷) مجھ پر ہوا ہے تنگ سجن عرصۂ سخن | بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں
(۵۸) مدت سے اس خیال کے آیا ہوں پیچ میں | گر مو کہوں کمر کو تو گیسو کو کیا کہوں
(۵۹) رونے سے تجھ فراق کے انکھیں مری گئیں | ڈوبا یہ خاندان اس آنسو کو کیا کہوں
(۶۰) دیوانہ کر لیا ہے مری جان و تن کو تیرے | مالی تری بہار کے جادو کو کیا کہوں
(۶۱) کرتا ہے جور جو عوض اپنے ہی یار کے | مظہر ترے ستمگر بد خو کو کیا کہوں

---

(۶۲) رشتۂ جاں ہی اگر ہو ترا تارِ دامن | آہ! اس پر بھی سمجھتا ہے تو بارِ دامن
(۶۳) دیکھ کر گل نے کہا تجھ پہ نزاکت ہے ختم | کس ادا ساتھ جھٹکتا ہے یہ مارِ دامن

---

(۶۴) کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن | نہایت منہ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پاں کوں

(۵۶ تا ۶۱) م ک، ب ش [سالہ ن، گ، ر، ج، ا، ش اور ع م میں صرف یہ شعر ملتا ہے:
گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں | بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

لیکن م ک اور ب ش میں یہ مکمل غزل موجود ہے -]

طبقات الشعرا (قدرت اللہ شوق) میں مندرجۂ ذیل چار شعر اس ترتیب کے ساتھ درج ہیں -

۱- گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں | بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں
۲- مدت سے اس خیال کے آیا ہوں پیچ میں | گر مو کہوں کمر کو تو گیسو کو کیا کہوں
۳- مجھ پر ہوا ہے تنگ سجن عرصۂ سخن | گر دُر کو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں
۴- دیوانہ کر لیا ہے مری جان و دل کے تئیں | مظہر ترے ستمگر بد خو کو کیا کہوں

(۶۲ و ۶۳) ب ا

(۶۴) ن، گ، م، ر، ج، ط، خ، م ر [سالہ گ، م، ج، م ر نے سالہ گ، م، ر، ج، ع، م ر: کو]

(۶۵) توفیق دے کہ شوسے اک دم تو چپ رہے   آخر مرا یہ دل ہے الٰہی جرس نہیں

---

(۶۶) حسن تیرا مثال دریا ہو   کیوں نہ ہیں کل لگا لیوں مچھیاں

---

(۶۷) جان میرا گیا ہو کر کے بیچ   جان نکلے تلک میں بیٹھا ہوں

---

(۶۸) سب گلوں میں وہ شوخ دلبر کوں   خوب لگتا ہو باغ میں کرناں

---

(۶۹) سنگدل یار نرم تکئے سا   دیکھئے جی چاہے ٹک لگا بیٹھوں

---

(۷۰) اس کے دل میں کبھی تاثیر نہ کی   اے محبت اسے کیا کہتے ہیں

(و)

(۷۱) آتش کہو، شرارہ کہو، کوئلا کہو   مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

---

(۶۵) گ، ر، چ، ح، م، ن، ع، ط، س، ذ [لے ط، س: وہ لے ر، ع: آخر یہ میرا دل ہے......

(۶۶ تا ۶۹) ب

(۷۰) یہ شعر ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے اپنی کتاب اردو غزل میں میرزا صاحب کے دوسرے اشعار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ معلوم نہیں اس کا ماخذ کیا ہے۔

(۷۱) ن، گ، م، ر، چ، ط، ح، ع، م، ر [لے ط، ح: شرار لے گ، م، ر، چ، ط، ح، ع، م، ر: کو]

(۷۲) آج مست رنگ حنا سے کف پا لال کرو اے تاباں، اس دلِ پُر خون کو پامال کرو

---

(۷۳) اب رقیب اس بزم میں جا کر ہوا پیرِ مغاں جائے تعظیم است اے یارو، اسے گرجی کہو

---

(۵)

(۷۴) اس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ اس واسطے پڑا ہوں چمن میں ہوا کے ہاتھ

(۷۵) مرتا ہوں میر زائی گل دیکھ ہر سحر سورج کے ہاتھ چوڑی و پنکھا صبا کے ہاتھ

(۷۶) آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سیں بیٹا لگا ہے جب سیتی مجھ بے نوا کے ہاتھ

---

(۷۱) ح، م، ن

(۷۲) ب

(۷۴) گ گ، ت، ج، م ن، ت ہ، م د، ع، ع م، خ، م ش، ب ض [ت: کوں

ت، ج، ع، ع م، م ش، ب ض: ہات ت، ت ہ، م ف، ع، ع م، خ، م ش، ب ض: بکا

پڑا: لگا ت، ج، ت ہ، م ف، م د، ع، ع م، خ، م ش، ب ض: کی

(۷۵) ن، گ گ، ت، گ، م، ج، ا، ح، ش، م ف، گ ا، ت ہ، م ا، ع، ع م، ب ض

[گ گ، ت، م ف، ت ہ، م د، ع، ب ض: جلتا

گ ا: مرتا ہوں میر زائی گل پیرہن ہر سحر گ گ، ت، م، م د، ع،، ب ض: چوری

ش، م ف، ع م: سورج کے ہاتھ چوری ہے پنکھا صبا کے ہاتھ]

(۷۶) گ گ، ت، ج، ب ض [ت: سوں ب ض: سے

(۷۷) برگِ حنا اوپر لکھو احوالِ دل مرا — شاید کبھی تو جا کے لگے دل ربا کے ہاتھ

(۷۸) مظہر چھپا کے رکھ دلِ نازک اپس کا توں — یہ شیشہ بیچنا ہو کسی میرزا کے ہاتھ

---

(۷۹) پھولے ہیں گل چمن میں صنم کا جمال دیکھ — لالہ بدل ہو داغ ترے مکھ کا خال دیکھ

(۸۰) بلبل فدا ہوئی ہو ترے رخ پر اے صنم — سنبل ہو پیچ پیچ تری زلف و بال دیکھ

---

(۸۱) کیا جواں مارا گیا خوباں کے ہاتھ — لاکھ حسرت کھیت آئیں جس کے ساتھ

---

(۷۷) گ گ، ت، گ ا، ت ہ، م ا، ع، ع ام، خ، ب ض

[ملہ ع: برگِ حنا پہ کیجو رقم حالِ دل مرا — شاید کہ جا لگے وہ کسی دل ربا کے ہات

خ: برگِ حنا پہ یارو مرا حالِ دل لکھو — شاید کہ جا لگے وہ کسی میرزا کے ہاتھ

ملہ ت ہ: شاید کہ جا لگے وہ کسو میرزا کے ہاتھ — ع ام: شاید کہ جا لگے وہ کسی دلربا کے ہات

ملہ ب ض: کبھو ملہ میر گردیزی، قائم اور حسن نے یہ شعر یکرنگ سے منسوب کیا ہے۔ چاروں تذکروں میں پہلا مصرع اسی طرح ہے۔ دوسرے مصرع میں خفیف سا لفظی تغیر ہے۔ شفیق نے بھی یہ شعر یکرنگ کے اشعار میں نقل کیا ہے لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ "اگرچہ این بیت کہ گذشت میر تقی میر بنام یکرنگ نوشتہ است اما بنام میرزا مظہر شہرۂ عوام دارد۔ واللہ اعلم۔" (چمنستان شعرا ص ۲۲۵)

(۷۸) گ گ، ت، م، ج، ط، گ د، ط ک، س، م ش، ب ض، م ر [تیے، ج، گ ۱: کے تئیں مر

ط: کے تئیں — م، ط، ک، س، م ر: کو اپنے تو — م ش، ب ض: کیتیں مرے

(۷۹، ۸۰) ج

(۸۱) ط

(۸۲) سرمہ آلود سفید و سرخ اور مژگاں سیاہ — کیوں نہ مارے اس طرح چورنگ شمشیر نگاہ

---

(۸۳) خجلت سے تجھ نگہ کی مے ہوگئی ہے پانی — کہنا بجا ہوا ہے شیشہ کو آبگینہ

(ی)

(۸۴) تجلی گر تری پست و بلند ان کو نہ دکھلاتی — فلک یوں چرخ کیوں کھاتا زمیں کیوں فرش ہو جاتی
(۸۵) حنا تیرے کف پا گر نہ اس شوخی سے سہلاتی — یہ آنکھیں کیوں لہو روتیں انکھوں کی نیند کیوں جاتی
(۸۶) اگر یہ سرد مہری تجکو آسائش نہ سکھلاتی — تو کیونکر آفتاب حسن کی گرمی میں نیند آتی
(۸۷) الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا — محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

---

(۸۲) ب

(۸۳) ر

(۸۴) گ، ر، پ ج، ش

(۸۵) گ، ر، پ ج، گ س

(۸۶) گ، ر، پ ج، م ف، ش

(۸۷) گ، ر، پ ج [ـه میرزا صاحب کے زمانہ میں یہی تلفظ صحیح تھا۔ (ملاحظہ ہو دریائے لطافت اردو ترجمہ از پنڈت کیفی صـ۲۶)]

(۸۸) جھکی ہو فوج گل اور عندلیباں کی پکار آئی
ارے ہنستا ہو کیا وہ دیکھ دیوانے بہار آئی

(۸۹) نہ جانوں صبح دم باد صبا کیا جا پکار آئی
کہ غنچے کا دل نازک چمن کے بیچ پھاڑ آئی

(۹۰) کیا بلبل نے نعرہ، آہ قمری نے، رُوئی شبنم
خدایا باغ میں آئی قیامت یا بہار آئی

---

(۹۱) کبھی اس دل نے آزادی نہ جانی
یہ بلبل تھا قفس کا آشیانی

(۹۲) خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل
یہیں تک تھی ہماری زندگانی

---

(۹۳) قبائل کو دیکھ بھیڑ گلی کی سمٹ گئی
یہ راہ چھاتیوں کے کواڑوں سے پٹ گئی

---

(۹۴) اودھر نگہ کی تیغ، ادھر آہ کی سناں
اس کشمکش میں عمر ہماری بھی کٹ گئی

---

(۹۵) کبھو اسیر کے سبب تجکو گنو وہائی
کب لگ رہے گا پچر آ ٹک مل مرے گسائی

(۸۸ تا ۹۰) ر

(۹۱) ج، ع [ٹ ع : کبھو]

(۹۲) گ، ج، ع

(۹۳) م، ع

(۹۴) م

(۹۵) ب

(۹۶) زلفوں کا جال ڈوپے بیٹھا ہی وہ شکر لب — اے دل مگس ہو مت جا وہ شوخ ہی گا مکڑی

---

(۹۷) چلے کیا زور چشموں کا کہو دریا سے شورا کے — نہ دی نالو نے مجھ آنکھوں کو فرصت کھل کے رونے کی

---

(۹۸) پیو اے گر لب شیریں مجھے خوش نہیں شکر پارے — حلاوت فہم دل کھاتا ہو میٹھے جگ کے سب کھارے

(۹۹) اوگل رونے لگایا عنبریں زلفوں کے (؟ ؟) — گلستان دل کے چشموں ہیں گل شبو کے فوارے

(۱۰۰) بوجھایا دلبر جانی نے آگر ابر رحمت سے — رقیبوں نے نپٹ دہو کا دئے ہیں غم کے انگارے

(۱۰۱) طبیب اٹھ جا سرہانے سیں علاج اب ہو چکا — جہاں میں کوئی جیتا ہو دیوانہ زلف کے مارے

(۱۰۲) رسد پہونچا دو شاہ حسن کو جلدی کہ جاں ہوئے — لے تانڈا اشک کا ای دل تغیں سودے بنجارے

(۱۰۳) خدا جانے دیوانہ دل کدھر جاتا ہے گلا دی — صبح سے شام لگ آہوں کے دوڑاتا ہوں ہرکارے

(۹۶، ۹۷) ب

(۹۸) ک، ل، ب ض [سلہ ب ض: سوائے وو]

(۹۹) ک ل، ب ض [سلہ ب ض: وہ   سلہ ب ض: پیچوں میں]

(۱۰۰) ک ل

(۱۰۱) ک ل، ب ض [سلہ ب ض: ہے   سلہ ب ض: جہاں میں کہیں بھی جیتے ہیں دوانے عشق کے مارے]

(۱۰۲) ک ل، ب ض [سلہ ب ض: رسد پہنچا دے شاہ حسن کو جلدی سے جاں ہو وے
سلہ تو لے کر عشق کا تانڈا اے دل سودائی بنجارے]

(۱۰۳) ک ل

(۱۰۴) شب اوس مہتاب رو کی بزم میں تھا عرق افشاں[۱] کلیجا پھٹ[۲] گیا مہتاب کا گرنے لگیں تارے

---

(۱۰۵) یہ[۳] دل کب عشق کے قابل رہا ہی کہاں ہم[۴] کو دماغ و[۵] دل رہا ہی

(۱۰۶) نہیں[۶] آتا کسی تکئے[۷] اوپر خواب یہ سر[۸] پاؤں سے تیرے ہل رہا ہی

(۱۰۷) خدا کے واسطے اس[۹] کو نہ[۱۰] ٹوکو یہی[۱۱] ایک شہر میں قاتل رہا ہی

---

(۱۰۴) ک ل، ب ص [۱ ب ص : پھٹن   ۲ ب ص : لگے]

(۱۰۵) گ م، ر، چ، ش، م ف، گ س، ط س، ت ہ، م ا، م ن، ع، ع م، خ، ا، ب

[۳ م ن : نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہی   نہ مجکو وہ دماغ و دل رہا ہی]

صاحب گل رعنا نے شعر ۱۰۵ اور اس شعر کو دو مختلف اشعار قرار دے کر دونوں کو میرزا صاحب کے اشعار کے تحت نقل کیا ہی۔

میر، گردیزی اور شفیق نے اس شعر کو مصطفےٰ خاں یک رنگ سے منسوب کیا ہی۔ اگر یہ صحیح ہی تو ان کے دو مختلف اشعار ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا لیکن دوسرا شعر میرزا صاحب کا نہیں کہلائے گا۔ یک رنگ میرزا صاحب کے ہم عصر تھے اس لئے اس قسم کے توارد کا ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔

۴ م، ش، م ف، گ س، ط س، ت ہ، م ا، ع، ع م، خ، ا، ب : دس   ۵ ر، ش، م ف، ط س، ت ہ، م ا، خ : اور

(۱۰۶) گ م، ر، چ، ش، م ف، گ س، ط س، م ن، ع، ا، ب [۶ م : نہ آوے بالش مخمل اوپر خواب

ش : نہیں ملتا کسی تکئے سے آرام   م ف : نہیں مخمل کے تکئے پر مجھے چین   گ س : نہیں آتا اسے تکیہ اوپر خواب

ا : نہیں آتا اسے تکیہ پر آرام   ط س : نہیں لیتا کسی تکئے پہ آرام   ب : کسی تکئے اوپر آتی نہیں نیند

۷ چ : اوپر   ۸ ب : یہ سر قدموں میں ان کے ہل رہا ہی]

(۱۰۷) گ، ن، م، ر، چ، ط، ح، ش، گ س، گ ا، ط س، ت ہ، م ن، ت ع، ع م، گ ب، خ ک، ط، گ ہ، س ا، ب، م ر

[۹ گ و : ان   ب : کوئی (بجائے اس کو)   ۱۰ ن : کوں   ۱۱ م ن : پھیڑو   ۱۲ ب : جہاں میں اک یہی قاتل رہا ہی]

(۱۰۸) گذر گئے[1] دین اور دنیا سے تس پر ترا گھر اور کئی منزل رہا ہے
(۱۰۹) غنیمت جان قاتل جانِ مظہر یہ مقتولوں میں ٹک بسمل رہا ہے[2]

---

(۱۱۰) خبر کو یار کی دل کو میں بھیجا ہو کہ جا لاوے نہیں معلوم ہوتا ہے اسے کب تک خدا لاوے
(۱۱۱) عزیزاں ایک لمحہ میں مزاجی لب نکلتا ہے طبیب عشق کو کوئی شتابی سے بلا لاوے
(۱۱۲) موا مظہر پڑا ہے یار کے کوچہ میں کئی دن سے خدا کے واسطے اس کو کوئی جا کر اٹھا لاوے

---

(۱۱۳) اگر ملئے[1] تو خفت ہے وگر دوری قیامت ہے غرض نازک دماغوں[2] کو محبت سخت آفت ہے
(۱۱۴) کوئی لیوے دل اپنے کی خبر یا دلبر اپنے کی کسی کا یار جب عاشق کہیں ہو کیا قیامت ہے

---

(۱۱۵) رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

(۱۰۸ و ۱۰۹) پچ، ر، ط س، [[1] ط س: دل و دیں سے تو گذرے اب ترا گھر نہیں معلوم کو منزل رہا ہے
[2] ط س: مقطع اس طرح ہے: نہ اٹھنا گھر سے مظہر کا نہ جائے کوئی ملنے کے کب قابل رہا ہے]

(۱۱۰ تا ۱۱۲) م ف

(۱۱۳) م ن، ع، ع م، گ د، س، ا [[1] س: نہ ملئے گر [2] ع م، س، گ د: مزاجوں

(۱۱۴) م ن

(۱۱۵) گ د [[1] تذکرۂ میر حسن میں یہ شعر آفتاب رائے سے منسوب ہے۔]

(۱۱۶) الہی مت کسو[1] کے پیش رنج[2] و انتظار آوے — ہمارا[3] دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار[4] آوے[5]

---

(۱۱۷) کیوں[6] (.....) زاہد سبحہ کا تو نام لے — وہ صنم کب رام ہوتا ہو خدا کا نام لے[7]

---

(۱۱۸) خداوندا اٹھا لے ہجر کے درمیاں سے پردے — ہمیں صیاد کے اب دام میں لا، ہمیں پردے

---

(۱۱۹) برچھی کو پکڑ ہاتھ میں آتے ہو کیلے — کیا راج بہادر ہو سجن روپ نگر کے

---

(۱۱۶) گ، ر، ج، ش، م ف، گ س [[1] ش، م ف: کسی [2] ش، م ف، گ س: رنجِ انتظار
[3] ش: ہماری دیکھیے حالت ہو کیا جب تک بہار آوے [4] گ س: کر یار
[5] مخزن نکات میں یہ شعر محمد فقیہ درد سے منسوب ہو۔ تذکرۂ میر حسن اور گلزار ابراہیم میں غریب دہلوی سے منسوب ہو۔ دونوں تذکروں میں پہلا مصرع یوں نقل ہوا ہو
الہی مت کسی کے پیش دردِ انتظار آوے۔ دوسرا مصرع تذکرۂ میر حسن میں اسی طرح ہو۔
گلزار ابراہیم میں بہار آوے کے بجاے کر یار آوے درج ہو]
(۱۱۷) ج، ب [[6] ب: شیخ کیوں جاتا ہو واں تسبیح کا تو دام لے [7] مخزن نکات میں یہ شعر میر سعادت علی کی طرف منسوب ہو۔ پہلا مصرع یوں نقل ہوا ہو:
شیخ تو جاتا ہو کیوں تسبیح کا واں دام لے]
(۱۱۸) ت [[8] چمنستان شعرا میں یہ شعر آبرو سے منسوب ہو۔ شعر یوں نقل ہوا ہو:
خداوندا اٹھا دے درمیاں سے ہجر کے پردے — مرے صیاد کو لا دام میں تو یا مجھے پر دے]
(۱۱۹) ب

(۱۲۰) رات کوں آکر بسا مجھ بر منیں وہ گل بدن ‌ ‌ ‌ ماہ جس کے باغ میں یک چاندنی کا پھول ہو

---

(۱۲۱) علی کے ناؤں کی تسبیح ورد کر منگا ‌ ‌ ‌ ہزار شکر کہ دانا امام پایا ہو

---

(۱۲۲) ہم سیں کمان ابرو میداں پکڑ گیا ہو ‌ ‌ ‌ قبضے میں تب وہ آوے گوشہ ہیں کھینچوں چلے

---

(۱۲۳) گندمی[1] رنگ اگر نہ ہوئے پیدا ‌ ‌ ‌ حسن کا ان دونوں ہیں کال پڑے

---

(۱۲۴) کوئی[2] تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو

کہ آخر ایک ہیں آپس میں دونوں بیچ رشتا ہو[3]

(۱۲۰، ۱۲۱) ت

(۱۲۲) ب

(۱۲۳) ب، ج [[1] ب ج: گندمی رنگ گر نہ ہو پیدا ‌ ‌ حسن کا جگ کے بیچ کال پڑے]

(۱۲۴) ب، ج [[2] ب ج: یہ دونوں ایک ہیں آپس میں دونوں بیچ رشتا ہو

[3] چمنستان شعرا میں یہ شعر شاہ مبارک آبرو کی طرف منسوب ہو۔ دوسرا مصرع یوں نقل ہوا ہو:

یہ دونوں ایک ہیں آپس ہیں ان کے بیچ رشتہ ہو]

پچھلے بادشاہوں اور ناموروں کے حال پر عبرت کی نگاہ

ایک دن آخر کو سب اُٹھ جائیں گے — کچھ نہ نیک و بد سوا لے جائیں گے
مال و منصب کے تئیں جاویں گے چھوڑ — رشتۂ الفت کے تئیں جاویں گے توڑ
خویش و بیگانہ کوئی جاوے نہ ساتھ — یک بیک مل مل کے رہ جاویں گے ہاتھ
چشمِ عبرت سے ذرا دیکھو یہاں — حضرتِ آدم سے لے تا ایں زماں
کیا ہوئے وہ بادشاہِ نامور — کیا ہوئے وہ اہلِ جاہ و اہلِ زر
کیا ہوا اسکندر صاحبقراں — کیا ہوا جمشید دارائے جہاں
کیا ہوا قارون و کسریٰ، کیقباد — کیا ہوا نمرود اور شداد و عاد
کیا ہوا رستم، ہوا کیا پیر زال — کیا ہوا وہ کرّ و فر، جاہ و جلال
کیا ہوئے حضرت سلیماں نامدار — کیا ہوئے وہ ملک و مالِ بے شمار

۱؎ یہ نظم مجموعۂ سخن (حصۂ اول) مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ (م ۱۸۹۶ء) میں شائع ہوئی ہے۔ بہت کچھ تلاش کے بعد بھی یہ نظم ہم کو اور کسی تذکرہ یا کتاب میں نہ مل سکی۔ مجموعۂ سخن کے مرتب نے بھی اس کا کوئی ماخذ نہیں بتایا۔

کیا ہوئے یوسف عزیز دوجہاں　　کیا ہوئے یعقوب پیر ناتواں
چھوڑنا دنیا کا اک دن ہے ضرور　　چار دن کو رنج ہو یا ہو سرور
رنج دنیا کا تحمل کیجئے　　عیش باقی کو عوض میں لیجئے
جبکہ مرنا ہے مسلّم دوستو　　ہے برابر تخت ہو یا تاج ہو
جتنے قول و فعل ہیں اے خوش خصال　　حشر میں ہر ایک کا ہوگا سوال
ہو سکے جتنی کرو تم بندگی　　تا نہ ہوئے حشر میں شرمندگی

زندگی مقصود بہر بندگیست
زندگی بی بندگی شرمندگیست

(ب)

جامع مسجد (بمبئی) کے کتب خانہ میں ایک ناقص الطرفین بیاض تھی جواب نا پید ہو چکی ہے۔ اس کے ابتدائی چار ورق غائب تھے اور آخر کے کتنے ورق غائب تھے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ مولوی یوسف کھٹکھٹے مرحوم نے اس کتب خانہ کی فہرست بناتے ہوئے اس بیاض کو مجموعۂ اشعار مظہر بتایا ہے لیکن انھوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

ان اشعار کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) وہ اشعار جو قطعی طور پر میرزا صاحب کے ہیں۔

(۲) وہ اشعار جو قطعی طور پر میرزا صاحب کے نہیں ہیں۔

(۳) وہ اشعار جو میرزا صاحب کی طرف بھی منسوب ہیں اور دوسرے شعرا کی طرف بھی۔

(۴) وہ اشعار جن کے متعلق کوئی علم نہیں۔

پہلی، دوسری اور تیسری شقوں کے اشعار کی تعداد بہت کم ہے۔

وہ اشعار جو میرزا صاحب کی طرف بھی منسوب ہیں اور دوسرے شعرا

کی طرف بھی۔ ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک غیر معروف و نامکمل بیاض کے مقابلہ میں تذکروں کی شہادت کو ترجیح دی جائے گی۔

جن اشعار کے متعلق کوئی علم نہیں، ان میں سے بعض کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ میرزا صاحب کے نہیں ہو سکتے، کیونکہ

(۱) ان میں دکنی زبان کا اثر پایا جاتا ہے۔

(۲) تخئیل کے لحاظ سے وہ اس درجہ پست ہیں کہ میرزا صاحب کے شستہ و بلند مذاق کو جانتے ہوئے ان اشعار کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

بعض اشعار کو مندرجۂ ذیل وجوہ کی بنا پر میرزا صاحب کی تخلیق سمجھا جاسکتا ہے :

(۱) اب تک ان اشعار کا کوئی دوسرا دعویدار نہیں۔

(۲) یہ اشعار صنعت ایہام سے تعلق رکھتے ہیں اور میرزا صاحب صنعت برتتے تھے۔

(۳) ان اشعار کی زبان محمد شاہ کے عہد کی زبان ہے۔

اگر یہ اشعار حقیقتہً میرزا صاحب کے ہیں تو یقیناً ان کے ابتدائی عہد سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ

(۱) صنعت ایہام میرزا صاحب نے اپنے ابتدائی زمانے میں استعمال کی تھی۔

(۲) تخئیل کے لحاظ سے، باستثناء چند یہ معمولی درجہ کے اشعار ہیں۔

(۳) ابتدائی دور کے بعد کے اشعار نہایت صاف و شستہ ہیں اور تخئیل کے لحاظ سے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔

(۴) ابتدائی دور کے بعد کے کلام میں فارسی الفاظ اور ترکیبیں زیادہ پائی جاتی ہیں۔

ہم ان اشعار کو ردیف وار ترتیب دینے کے بجائے بالکل اسی طرح نقل کرتے ہیں جس طرح بیاض میں لکھے ہوئے تھے۔

ان اشعار کی ابتدا ورق ۵ سے ہوتی ہے۔

---

(۱) ظالم[۱] کوں کام مت فرماؤ سن اے راجپوت ... ہے ترا جگ رام اس حسن سوائی پر فدا

---

(۲) کام[۲] رجپوتی کو مت فرماؤ جمدھر ہاتھ ہو ظالم
ہوا دل جان سیں جگ رام تجھ حسن سوائی کا

---

(۳) اب[۳] جا کے کہو یوسف سیں کو نوی سیں نکل دکھلا
تجھ بن آ رو رو زلیخا ہو چلی ہے باولی

[۱،۲] یہ اشعار جعفر علی خاں کے ہو سکتے ہیں۔ جعفر علی خاں "از متوسلان نواب عمدۃ الملک امیر خان بود ذہن و درکا و طبیع رسا داشت۔ سوائی رام راجا بود۔ برو تعشق داشت" (تذکرہ میر حسن ص۵۴)

[۳] تحفۃ الشعرا (بحوالۂ چمنستان شعرا) میں یہ شعر شاہ فضل اللہ فضلی کی طرف منسوب ہے۔ پہلا مصرع یوں درج ہے:

اے کبوتر جا کے کہہ یوسف کوں کو نیں سوں نکل

(۴) انگیا چنچل کی دیکھ کے میں اس پوچھا کہ کیا ہو (کذا؟)
ہنس کر ادا سوں بولی تجھ کیسری کچھی ہے

---

(۵) تیر شی انگیا میں کچھ تو ہی ظالم   جن نے دیکھا سو ہات ملتا ہے

---

(۶) خط کوں کھینچو ہو میاں حجام کس بت لادیا
اس طرح سیں جس طرح اصلاح آئینے میں ہے

---

(۷) یہی رفتار اے حجام کس بتلا دیا تجکوں
کہ تیرے اس طرح پھرنے کے آگے سر بھی حاضر ہے

---

(۸) دمبدم خونریزیاں کرتا ہو وہ نائی کا طفل
گرچہ ظاہر میں کہے ہے خوب کام کرتا ہوں میں

---

(۹) آج[ل] مکھن دہی بڑا، مٹھا   کل جمایا تھا کھانے کوں کھٹا

ل۵ تیری انکھیاں میں کیا بلا کچھ ہو   اب فلک یار ہات ملتے ہیں (فضلی، تحفۃ الشعرا بحوالہ گلستان شعرا صفحہ ۱۸۲) ل۵ ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۳۱۶

(۱۰) جس کوں چسکا پڑا ہو مکھن کا — کہو وے کیا کرے ملائی کا

---

(۱۱) لگا اس شوخ کی جب لف کوں میں ہو لگا : دل (کذا)

کہا کیا آج تیرا من چلا ہو مار کھانے کو

---

(۱۲) قتل کرنا یک جہاں ہر موسرو ہی کی سی دھار

شوخ راجوں سیں کہا وہ راج بنسی مار دار

---

(۱۳) اس صنم کی زلف میں آرام ہو — بیٹھ جا مت جا مسافر شام ہو

(۱۴) آج دل ہو پتنگ کیوں نہ کٹے — زلف تیری نے پیچ مارا ہو

---

(۱۵) کھول کر پنڈا ہوا میں مت اڑا اب پتنگ

....

---

(۱۶) ڈھیل نہ دل سیں نہ کرنے میں اب ای شمع رو (کذا)

ڈور میں تیری نین کی عاشقاں ای شمع رو

لہ قیاس کہتا ہو کہ شعر نمبر ۱۰ اور ۱۱ میاں صلاح الدین یا کبانہ عرف مکھن کے ہو سکتے ہیں جن کے متعلق میر حسن کا بیان ہو کہ "شنیدہ ام کہ در لکھنو آمدہ بہ سوہنا و مکھن کہ قوال بچہ مشہور بود، نظر التفاتی داشت۔ عاشق و معشوق ہر دو ہم نام۔"
(تذکرہ میر حسن ص ۱۵۱)

(۱۷) ....

غوطے دے دے مت پتنگوں کو اُڑا او دوڑ کر

---

(۱۸) مرا دل دوری مثل پتنگ اے شمع رو تم پر

کرو کچھ فکر تم ایسا رقیبوں کے اُڑانے کا

---

(۱۹) دور کرتے ہیں دل ہمارے کوں شمع رو جب پتنگ اُڑاتے ہیں

---

(۲۰) کوئی[1] تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو

یہ دونوں ایک ہیں آپس میں دونوں بیچ رشتا ہے

---

(۲۱) دل ربا کے ہاتھ میں تسبیح نہیں دور کر راکھا ہے سو من کے تئیں

---

(۲۲) سونے کی اب نہ کر تو تسبیح تیرے رشتہ میں ہیں گے سو من کے

---

(۲۳) تنہا پلنگ پہ رات کوں مرتے ہیں جان لوں

سونا وہی جو ہووے کسو سیم تن کے ساتھ

---

[1] چمنستان شعرا میں یہ شعر شاہ مبارک آبرو کی طرف منسوب ہے۔ دوسرا مصرع یوں نقل ہوا ہے:

یہ دونوں ایک ہیں آپس میں ان کے بیچ رشتہ ہے

(۲۴) سنو اس بان کوں آؤ پلنگ پر دو کہ بہت پاسے
مجھے سونا بہتا یہ سیم تن بیدار کرتا ہو

---

(۲۵) بان کوں چھوڑ کر پلنگ پر آؤ   دکھ بہت پاسے ہیں سنگ ہم تم سوں

---

(۲۶) لٹو ہمارے دل کوں وہ شوخ کر گیا ہو
کرتا ہوں آس اسس کی شاید کدی پھر آوے

---

(۲۷) جن کی بندھی تھی آس وہ ساجن کدھر گئے
جب دل ہمارا لٹو ہوا جسد پدر گئے

---

(۲۸) اب نقد دل ہزاروں لینے لگے دینے آئے
صراف کی بیکا یک یہ خط کہاں سو تکسا (کذا)

---

(۲۹) خوش نما ملک سلیماں میں نہیں ہو دل مور
مورچہ ہو لشکر خط کا .... (کذا)

---

(۳۰) قطع کرنا خط کتیں اس عمر میں ہے گا نہ رو
اس طرح سیتی جس طرح کہتا ہو تم اصلاح لو

---

(۳۱) پر کتا ہر ہوا ہوس کا بھید پردے سوں نکل
خط کے ڈنے سیں حقیقت سب کی ظاہر ہو گئی

---

(۳۲) شوخ کی چاہِ زنخداں میں خط سبز کوں دیکھ
ہوش یوسب کا گیا کوئی میں بھانک پڑی (کذا)

---

(۳۳) گزک فردش کے سیں جب کہا کہ چپ ہو جا
اٹھا پکار تلی سیں مزا ہی تلی ہیں (کذا)

---

(۳۴) سب نے دیکھتے ہیں لعل لباں شوخ تو دیکھا   بوسے تیں پایا ہو مزا تل شکری کا

---

(۳۵) وہ نازنین جب سوں نظر پڑے ہو   دل چاہتا ہو اس کوں بے اختیار ہو ناں (کذا)

---

(۳۶) جُز ڈنگی تھی وہ جادو گر کے سونار   من چھلا لال کی انگوٹھی میں (کذا)

---

(۳۷) قطع کر بیک سیں جلنے کوں بنا؟   دھیان یک سوئی کا سینہ کوں لگا

---

(۳۸) خاصہ سجن کے ملنے دل کوں ہوا ہو خیکہ
گا دمی رقیب سا دسے مرتے ہیں بات مل (کذا؟)

---

(۳۹) جابند کرتے ہیں کہ تیری قبا کے گھنڈے (کذا) وے جھاڑ ہو لگے ہیں کیوں کر دلوں سے چھوٹے

---

(۴۰) اس چکن دوز کا، سنو یارو گل رخوں ہیں کشیدہ ابرو ہو

---

(۴۱) نیل پڑجاتا ہو..... پونٹے کا اے نازک بدن
تن اوپر تیرے جیکن کرتا ہو گویا کار چوب

---

(۴۲) اب تشنگی کا روز اشاید کھلے ہمارا
شام و شفق پیا کی مسی و رنگ پان کا

---

(۴۳) یاں مسی سیں شہادت اب ہیں ہو لا علاج
خون ناحق پرستا ہو اس کُما کاری سو آج (کذا)

---

(۴۴) اس مسی زیب کی ترش رو ہو شکری پھال سوں کا شربت ہو

---

(۴۵) مست ہو سجن آسیب ہیں میٹھے کی بیٹھ (کذا ؟)
ترش نیبو سانہ ہوسٹے کوں لے کرنا ہو کیا

---

(۴۶) گولی لگی رقیباں کتا کریں ہیں دل کو کم کرنون پیاراں سیں گر رنگ رہے کرناں (کذا)

---

(۴۷) کٹ کر دل کوں میٹا دی (والوڈکنا) اتنے کا کیا ادھار کرتے ہو

---

(۴۸) شوخ کی آنکھ دیکھ کر کیری شوق کے دانت ہو گئے کھٹے

---

(۴۹) رقیباں کو ترش دئی ہی حاصل مجھ سوں ای ساجن
گلی تیری مگر ای شوخ املی کا محلا ہی

---

(۵۰) لگایا دام جا دل میں نگہ کا کاری انکھیاں سوں
علاج اس زخم کا بادام خوبانی کا روغن ہی

---

(۵۱) چشم سیہ سجن کی گردش میں جبکہ دستی
بادام رشک سیتی چکی کے بیچ پستی

---

(۵۲) حسن خوبانی، نین بادام، پستا ہی دہن
راہ میں تجھ عشق کی میوؤں کا در ہی ای سجن

---

(۵۳) تری انکھیاں کے ہیں بادام، پستا ہی دہن تیرا
کہ تیرے عشق کی جو راہ میں آویں تو میوے لیں

---

(۵۴) دفتر میں تیرے دل کے مری یادداشت نہیں
کیوں کر نقل کروں کہ جدا جلد جلد ہے

---

(۵۵) وعدہ کی یادداشت نہیں تجھ لباں کے تئیں
ہر روز مجکوں عرض مکرر کا فکر ہے

---

(۵۶) لیا ہے عالم دل ہاتھ کر یک دست رنگیں سوں
جہانگیری کی نادر طرح تیرے ہاتھ پہنچے ہے

---

(۵۷) مرے من کے پیارے وو دیں مجکوں پہنچے خبر (؟)
ہمیشہ اس سبب رہتا ہوں دردانہ کے سمرن میں

---

(۵۸) آج دلبر کے ہاتھ کے پہنچے من کے لینے کوں خوب پہنچے ہے

---

(۵۹) میں مینی لخت دل کی کرکے بھیجی ہے سجن آگے
اگر پہنچے تمھارے ہاتھ کہہ بھیجو کہ پہنچی ہے

---

(۶۰) اچھی پہنچی ہے من کے دور کرنے کی طرح تم کوں
جگت میں جو بڑا دانا سو سمرن میں تمھاری ہے

---

(۶۱) نہ جا پنگھٹ سوں، ہو عاشق کے اوپر یہ کرڑی بھاری
تم ایتا کیا ستم کر اپنے سر پر بوجھ لیتے ہو

---

(۶۲) بات ٹک لٹکا اٹھا دل لے گئی رشک پری
یہ کرڑی بھاری ہمارے انی کوں سر چھیڑی (کذا)

---

(۶۳) مقصر ہوں عزیزو اس سبب ہر یک کی خدمت سوں
کہ میں دفتر میں شاہ حسن کے چہرہ لکھایا ہوں

---

(۶۴) مقصر بندگی کی ہیں ہمیں معذور تم رکھنا
تمھارے بندے ہیں ساجن اگر ہر چند کماویں گے (کذا)

---

(۶۵) اب تو اے درزن نہ دیو جامہ کو میرے انتظار
کام ہے مجکوں شتابی سوں ٹک یک سینہ لگو

---

(۶۶) درزن کرے ہے بخیہ ٹک ہات لے کے سوزن
دل جا ہوا ہے پیوند دیکھ اس کا چاک سینا

---

(۶۷) درزن کو کہا کہ کیا ہے تیری چولی میں بولی کہ نہ کچھ چھیڑ میرا سینہ ہے

---

(۶۸) جب سوں دل بند ہوا درزن   تب سوں سینے کا خیال بر میں لگا

---

(۶۹) درزی بچہ نے میرا دل بند کر رکھا ہی
سوئی پر دونے میں چھوڑا نہیں ہوتا گا (کذا)

---

(۷۰) ہی بنارس میں مجھے دن رات کام
اک دے لگ گئی ہو میری نارنول (کذا)

---

(۷۱) اک دے لگ ای مری نارنول   درد تیرے وصل کا کرنال ہو (کذا)

---

(۷۲) ہم نے بجن سنا ہو تم جاتے ہو کرالی
اس میں فراخ کیا ہو جو لگتی جو چھو چھانی (کذا)

---

(۷۳) کماں ابرو مرے گھر کیوں نہ آئے   کہ اس کے واسطے کھینچے ہو چلے

---

(۷۴) وہ چلے کی کشش کرتا ہو دن رات   کماں ابرو پہ جیو قربان ہوا

---

(۷۵) وہ چلے کی کشش کرتا صبح و شام   خوبی نے بندا ابرو کماں کا (کذا)

---

(۷۶) ہرن کی بھانت ہم سوں رم کئے ہیں چنچل نین سیتا
رقیب اب شیر ہم پر کیوں نہ ہوا اس کا ہوا چیتا

---

(۷۷) تمھاری اب ہوئی ہیں چینی سنو ای من ہرن میرے
چکاروں نال مل کر داؤ گھات اب ہم سوں کم کرنا

---

(۷۸) کیوں نہ ہو بال بال کا دشمن ‏ ‏ نام اس دلربا کا نورا ہے

---

(۷۹) کیوں نہ دل کوں کرے وہ خونیں رنگ ‏ ‏ نام اس کا جو میر مہندی ہے

---

(۸۰) کیوں نہ دل کوں وہ اب بگھار دیوے ‏ ‏ نام اس شوخ کا جو ہینگا ہے

---

(۸۱) کیوں نہ عالم کوں وہ کرے چیلا ‏ ‏ نام اس دلربا کا میراں ہے

---

(۸۲) اس برہمن پسر نے پڑھ پڑھ بید ‏ ‏ تیغ ابرو کو بید مال کیا

---

(۸۳) نہ کر ترچھی بھواں میں نے کہا روٹھ کے جاناں کوں
کوئی برسات میں ظالم چڑھاتا ہے کمانوں کو

---

(۸۴) تیرے ابروی جو سنا ہم کوں
کوئی تروار پر نلے نہ لگے (کذا)

---

(۸۵) آج تیرے بھواں تیں مسجد میں ہوش کھویا ہی ہر نمازی کا

---

(۸۶) یا رب[1] اب غیر سوں لگا ملنے چھوڑ کر اپنی آبرو کا پاس

---

(۸۷) تیرے[2] ابرو کی تیغ ہی باڑیل جس کوں لگتی ہی خوب لگتی ہی

---

(۸۸) تیرے[3] ابرو نے کھینچی ہی تروار
کیوں نہ عشّاق اب نڈھال ہوویں

---

(۸۹) شمشیر تیز جبکہ لگائی گلے اٹھا سر کٹ گیا پہ دل میں نہ اب سر سیں جو اٹھا؟

---

(۹۰) کنی چھڑکا ہی گلال او من ابروے خمدار پر
خون کس کا جم گیا اس مغربی تلوار پر

---

(۹۱) غیر ور چال ہیں اب کس بساط بازی پر لگے ہی کشت رخ سبزۂ خط سوں

---

[1] مخزن نکات اور چمنستان شعرا میں یہ شعر آرزو کی طرف منسوب ہی۔ پہلا مصرع دونوں تذکروں میں اس طرح ہی: غیر صحبت میں اب لگا جانے
[2] تذکرۂ ریختہ گویاں اور چمنستان شعرا میں یہ شعر عبدالوہاب یکرو کی طرف منسوب ہی۔

(۹۲) رخ کی سرسائی اور ایسی چال ای شاہ بتاں
مات ہو کر کیوں نہ آویں ہار رہیں سب گل رخاں

---

(۹۳) چھپایا آفتاب اس ماہ رونے دست بازی کر
کہا ابرو کے ایما سیں ہمیں شمشیر کا دوا (کذا)

---

(۹۴) دیکھو یہ آج دلبر نادان ہو گیا ہی
بازی ہمن کو دے کر اوروں سے جگ بندھا ہی

---

(۹۵) خونخوار نے لباں کو پانوں کیا ہی رنگیں
عاشق کے مارنے کی بنیاد یوں دھری ہی

---

(۹۶) لبوں تیرے نے میرے قتل پر بیڑا اٹھایا ہی
خدایا سرخ رو کیجو انھوں کو خون سوں میرے

---

(۹۷) تیرے[۱] لباں کی سرخی ہرگز نہ پا سکیں وو
ہرچند سعی کر کر یاقوت، لعل، مرجاں

---

(۹۸) تیرے ..... دیکھ دل ہوا ہی شہید نہ مانگے پانی جو مارا ہوا ہی پیروں کا

---

[۱] چمنستان شعرا اور گلزار ابراہیم میں یہ شعر خفیف سے تغیر کے ساتھ آبرو کی طرف منسوب ہی۔

(۹۹) مزا دیتا نہیں کھانا تکلف کا نفاق اندر

کرم کا ساگ روکھا چرب ہے اس زیر بریاں پر

---

(۱۰۰) مزا میٹھا لگا ہے اس تئیں دشنام دینے کا

کہ جب وہ دیکھتا ہے مجھکو موہن بھوگ دیتا ہے

---

(۱۰۱) اس یار گلبدن سوں جب سوں ہوا ہے الا

خار ہو جگر میں میرے تئوں رقیب سالا (دکھنا)

---

(۱۰۲) ہر سحر کے وقت مرغے کا رقیب گالیاں دیتا ہے ہم کو ماگیاں

---

(۱۰۳) رقیباں ہم ستیں کرتے ہیں نوکیں طرح آئیں کے ان مرغوں میں پانی (دکنا)

---

(۱۰۴) شیریں لب سے رقیب ہنستا ہے تلخ لگتا ہے مجکوں یہ خندہ

---

(۱۰۵) سونے کے وقت مجکوں جب یاد آوتا ہے

دل کوں جراوتا ہے سیمیں بدن کا گہنا

---

(۱۰۶) اس گلبدن کوں گل سیں ہرگز نہ تھی محبت چنپا کلی نہ جانوں کیونکر گلے پڑی ہے

(۱۰۷) اب تو..... کون بنائے تجدید ہی ہم سب طرف سے..... ای کلی پری

---

(۱۰۸) کیوں نہ ہوں کیمیائے مستغنی ساتھ لے سونا اس کوں کافی ہو

---

(۱۰۹) کنچنی کو بغل میں لے سوناں صاحب زر کوں سازداری ہو

---

(۱۱۰) گندمی رنگ نے ترے ای شوخ مجھسے آدم کے تئیں خراب کیا

---

(۱۱۱) گندمی رنگ گر نہ ہو پیدا حسن کا جگ کے بیچ کال پڑے

---

(۱۱۲) غرور حسن سٹ ای چار ابرو ٹک نام کرنا
پرای موتی تری یاقوت لے قیمت کو کم کرنا (کذا)

---

(۱۱۳) اس بات کو پکڑنا کیا سحر ہی پیارے
پھونکا ہی تم نے منتر گویا کہ تم نے چھو کر (کذا)

---

(۱۱۴) چھوڑ ہم کوں ایک دنی پھول پر ملنا گرم اسیں
بخار اب ہمیں دل میں رکھ کر غیروں پاس مت مر (کذا)

۱؎ یہ شعر ایک دوسری قلمی بیاض (مملوکہ پروفیسر نجیب اشرف صاحب ندوی) میں بھی میرزا صاحب کے نام سے پایا جاتا ہے۔

(۱۱۵) شب روشن چراغ ہی جاناں — اب تو آمل بہت دبے ماتی (کذا)

---

(۱۱۶) چاند سے تیرے مکھ کو لاگا عیب — جب سوں ملنے لگا چکوروں سے

---

(۱۱۷) دھکا دیتے ہو ہم کوں کمربند باندھ باندھ
کھولیں ابھی تو جائے میاں کا بھرم نکل

---

(۱۱۸) آج نیناں کو بلا کر من ہمارا بر لیا
ہم کو دفتر بیچ دے زاہد نے خویش اپنا کیا

---

(۱۱۹) ڈھونڈ کر یکرنگ[1] سیں لایا ہوں اس مضموں نئیں
آبرو جگ میں رہے تو جان جاناں..... ہی

---

(۱۲۰) گلبدن سیں دل ہمارا یوں بندھا بے اختیار
لعل خاں لکڑی سیں جیسے باندھتے ہیں گنہ گار

---

(۱۲۱) محمد شاہ کی بد فعلیاں دیکھ — ہوا کوکی کوں لازم دانگ (نیاز کذا)

---

[1] یہ شعر شاہ مبارک آبرو کا کہا ہوا ہی۔ پہلا مصرع دراصل یوں ہی: کیا ہوا حق کے کئے سے کور میری چشم ہی
(گلشن گفتار)

(۱۲۲) تا حق ستم کسو پر وہ شوخ کب کرے ہی
دیتا ہی ٹانگ اس کوں جو فعل بد کرے ہی

---

(۱۲۳) غبار آلودہ مژگاں آوتا ہی وہ کماں ابرو
نشانا ایک دل اور چار ترکش تیر خاکی کے

---

(۱۲۴) لگے ہیں زخم کاری بسکہ محکم اس بدن اوپر
....

---

(۱۲۵) مجکوں مردم سیں کیوں نہ ہو وحشت
میں اس آہو نین کے سات ہوں (کذا)

---

(۱۲۶) لے جاؤں گا میں اس کوں جس کے لگا ہوں پیچھے
دیکھوں گا کون آکر پکڑے گا میرا آگا

---

(۱۲۷) مکھ سیں اپنے عرق کو دور نہ کر حسن کا عطر مجکوں لینا ہی

ملہ یہ شعر شرف الدین مضمون کی تخلیق ہی۔ (نکات الشعرا، چمنستان شعرا)

(۱۲۸) موتی بولاق کا یوں کہتا ہو لعل لب سوں
ہو آفتاب اوپر غالب جو میرا ستارا

---

(۱۲۹) ایسے جاڑوں میں گرم سوتا ہو   رات کوں جس کے پاس ہو پٹو

---

(۱۳۰) اگر طاقت ہو کہنے کی تو لا کہ بھر دے جھو اوپر
وگرنہ غائبانہ ہر کسو کے مت بورا بکے

---

(۱۳۱) جواں مارا گیا خوباں کے بدلے میرزا مظہر
بھلا تھا یا بُرا تھا جس طرح تھا خوب کام آیا

---

(۱۳۲) نہ تنہا لال بازی کام ہیگا ان امیراں کا
کہ ان کی جوروواں بھی گھر منے بلبل لڑاتی ہیں

---

(۱۳۳) بوالہوس گر زر نہ ہو تجھ پاس (کذا)
مال زادی کا نہیں ہو کام غیر از مانگنا

---

(۱۳۴) کھول[1] کر بند قبا دل کوں مرے غارت کیا
یہ حصار قلب جاناں میں کھلے بند دل لیا

---

[1] چمنستان شعرا میں یہ شعر خفیف سے لفظی تغیر کے ساتھ محمد شاہ کی طرف منسوب ہے، گلزار ابراہیم میں احسن اللہ احسن کی طرف منسوب ہے۔

(۱۳۵) غزالاں رقص بسمل سیکھتے ہیں اس زمیں اوپر
تمن کی شوخ انکھیاں نے جہاں سمناں کو مارا ہی

---

(۱۳۶) ابس تم روبرو ہونے کی کھاتے ہو قسم جھوٹی
بنا آئینہ تم یک دم بھی رہ سکتے ہو بھو دیکھو

---

(۱۳۷) جا کہو اس گلی میں توں مست جا — شوخ چنچل ہو جان جاویگا

---

(۱۳۸) جاتی ہو نقد جان بھی اس صرف کی — ٹک غم کے کھاتے دیکھ میرا حساب کیا ہی (کذا)

---

(۱۳۹) نداف کا یہ لڑکا بیٹھا دوکان کے اوپر
گالوں کے تئیں دکھا کر بیچے ہی خوب روئی

---

(۱۴۰) سرمہ آنکھوں میں دیے جھاتے ہو — ہم کوں پھر طوطیا لگاتے ہو

---

(۱۴۱) تل میں دل کوں ملائے لیتے ہو — پھر گویا ان تلوں میں تیل نہیں

سلہ گلزار ابراہیم میں یہ شعر عمر دکھنی از منصب دار ان دکھن و شاگردان ولی کی طرف منسوب ہی۔ شعر یوں نقل ہوا ہی: تل میں دل کے کے یوں لکرتے ہو کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں

(۱۴۲) مصور گر تری تصویر کو چاہے کہ اب کھینچے
لگا دے ایک سارا چاند چہرے کے بنانے کوں

---

(۱۴۳) توڑا از بسکہ شوخ نے از سنگ جفا دل
ہر چند کہ پھر لاگ لگایا نہ لگا دل

---

(۱۴۴) زیب و زینت ہو مفلسوں کی تیغ   دھار پر مارتا ہوں دولت کوں

---

(۱۴۵) تجھ ملاحت[1] کے نون کی لذت   جس کا دل ہو گیا کباب سو جائے

---

(۱۴۶) بیٹھ[2] جاتا تھا خوباں گرمی کریں گے ہم سوں
دل سرد ہو گیا ہے جب سے پڑا ہے پالا

---

(۱۴۷) ...... سیں یوں ہوا معلوم   تیری انکھیاں کی تنک دو بلکی ہیں

---

(۱۴۸) قرار اپنے اوپر رہتا نہیں دو سنگدل ہرگز
قسم ہے خواجہ قطب الدین کی یہ ....

---

[1] تحفۃ الشعرا بحوالۂ چمنستان شعرا میں یہ شعر خفیف سے لفظی تغیر کے ساتھ فضل اللہ فضلی کے نام سے درج ہے۔
[2] گلزار ابراہیم میں یہ شعر ذرا سے تغیر کے ساتھ شرف الدین مضمون کی طرف منسوب ہے

(۱۴۹) جس کے کارن خلق دوانی ہی سو یہی کال کا بھوانی ہی

---

(۱۵۰) مفت کب کھینچے ہیں مفتی رنج سب ستیں مانگ لیں ہو (کذا)

---

(۱۵۱) ارے[1] میاں لوگ کہتے ہیں کہ ہی

کہاں ہی، کس طرح ہی اور کدھر ہی

---

(۱۵۲) ہم نے سخن سنا تھا اس شوخ کے دہاں ہی

لیکن کہیں نہ دیکھا کیا ہی اور کہاں ہی

---

(۱۵۳) تان کی چوب لگی کاری تب سے دوڑے ہی شیخ ہالوں کوں (کذا)

---

(۱۵۴) ایسے[2] مرید کیوں نہ دو عالم ہیں......(؟)

پیروں کی راہ میں جو کرو ڑوں دیا کرے

---

[1] نکات الشعرا، تذکرہ ریختہ گویان، مخزن نکات، چمنستان شعرا، تذکرہ میر حسن اور گلزار ابراہیم میں خفیف لفظی تغیر کے ساتھ یہ شعر آبرو کی طرف منسوب ہی۔ [2] تذکرہ میر حسن میں شاہ ولی اللہ اشتیاق کی طرف منسوب ہے۔ پہلا مصرع یوں ہو "ایسا مرید کیوں نہ دو عالم میں نستر ہے" شعر سے پہلے یہ عبارت ہو: "وقتی کہ نواب روشن الدولہ مغفور از شاہ جہان آباد تا درگاہ قطب صاحب کہ عرصۂ ہفت کروہ خواہد بود، چراغان کردہ بود، در آن باب گفتہ" (تذکرہ میر حسن صہ)

(۱۵۵) کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن ہم ہیں دم نہیں
پنہاں نگہ تن کی یہ پستی سے کم نہیں

---

(۱۵۶) جا کہو اس رقیب چوتری سوں
اس محلے میں کم کم آیا کر

---

(۱۵۷) اس لباں کو یقین مصری جان — سانچ کہتا ہو اس میں مت شک کر

---

(۱۵۸) غنچہ ساں تنگدل نہ ہو ساجن — گل مجھے دیکھ پھول جاتا ہو

---

(۱۵۹) بانکپن مت کرو چنبیلی لال — جا ہتے ہیں پیام کرتے ہیں

---

(۱۶۰) نہ چھوڑے پیلے جی کسی کا — تمھارا ہنس کے یہ کہنا اجی کا

---

(۱۶۱) شوخ کی جمدھری ازار کو دیکھ — بوالہوس جو بنا شہید ہوا

---

(۱۶۲) اگر تم گلبدن نرگس نین اور سرو قامت ہو
بہار حسن کے گلشن کے ہم بھی عشق پیچے ہیں

لہ تذکرۂ ریختہ گویاں، چمنستان شعرا اور تذکرۂ میر حسن میں یہ شعر آبرو کی طرف منسوب ہو

(۱۶۳) جی چاہتا ہو میرا عبدالرحیم خاں کو
کیا پشم ہی جو ہنس کر عبدالغفور بولے

---

(۱۶۴) زہر وبنا پان میں لگتا ہو اس کوں ہنسی کھیل (کذا)
بیچتا ہی زلف سوں طفل تنبولی ناک بیل

---

(۱۶۵) بے قدر نہ ہو شیوۂ محبوب نہیں ہو
ای چاند چکوروں سے نزل خوب نہیں ہو

---

(۱۶۶) وعدہ کیا تھا کرتا ان کا پھر نہ آیا
قیامت کا ہماری دربار کا بہانا (کذا)

---

(۱۶۷) اس شکرلب کی ہم سوں پوچھو نہ بات
قند شکر کوں بات میں شہد ہو

---

(۱۶۸) سرخ[۵۱] چہرا ہی نہیں خون کسی کا یارو
باندھ توں باندھ کر اس لعل پہ بہتان نہ کرو

۵۱۔ مخزن نکات میں خفیف سے لفظی تغیر کے ساتھ یہ شعر محمد حسین مخلص کی طرف منسوب ہو۔

(۱۶۹) اطریفل شعر بیں آرام کیوں کر ہووے
ایسے مرض کا خوب کلاں ہو تجھ علاج (کذا)

---

(۱۷۰) ترے رخسار پے چیچک کے بوسہ کا ہوں میں بھوکا (کذا)
مجھے یہ دال روزہ کھولنے کوں بس ہے رمضاں میں

---

(۱۷۱) دل کو علاج کوچھ نہیں اب غیر جاں فشانی
عطار کی نین جمد ھر حکیم خالی (کذا)

---

(۱۷۲) دے وعدہ بھی دور ننگوں کے کیا ہوئے (کذا)
دے عاشقوں کو غوت بتانے کدھر گئے

---

(۱۷۳) سخن رقیب کا سن لیکے دل کوں داغ کیا
مرے چراغ کوں اس کان کی لگی ہے لو

---

(۱۷۴) رزائے بھی لگے اب مرد ہونے
چماروں نیں کسب پکڑا نری کا

ے چمنستان شعرا میں خفیف سے لفظی تغیر کے ساتھ یہ شعر آبرو کی طرف منسوب ہے۔

(۱۷۵) جاگیر سات کیا دل وحشی کوں کام ہے

تجھ زلف کا خیال مجھے لاگ دام ہے